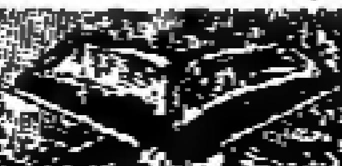
زلزلہ

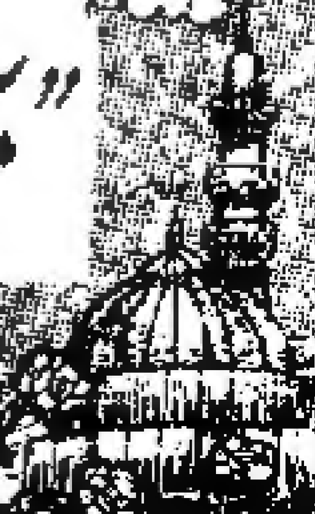
مصنفہ

ارشد القادری

ناشر

"مکتبہ جام نور" دہلی





زلزلہ

اس کتاب میں دیوبندی لٹریچر کے حوالوں سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ جن امور کو علمائے دیوبند انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں انہی امور کو وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین ایمان و اسلام سمجھتے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے ان کی توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

(ارشد القادری)

مطبع: بھارت آفسیٹ دہلی ۶

قیمت 40.00 روپے

ایڈیشن : آٹھواں

کتابت : دلبر خان رامپوری

رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی فکر انگیز تصنیفات کا اشاعتی پروگرام

مطبوعہ کتابیں

(۱) زلزلہ (۲) زیروزبر (۳) جماعت اسلامی (۴) تبلیغی جماعت

(۵) لالہ زار

زیر طباعت کتابیں

(۱) تعزیرات قلم (۲) تفسیر ام القرآن (۳) لسان الفردوس (۴) تبلیغی جماعت احادیث کی روشنی میں۔

زیر ترتیب کتابیں

(۱) مسلک اہل سنت (۲) شمدادوقوسین (۳) عقیدہ علم غیب قرآن کی روشنی میں (۴) دین انعام (۵) مجمل حرم (۶) آئینہ اسلام اردو زبان میں اہل سنت کا نصاب تعلیم (۷) علمائے دیوبند اور مسئلہ ختم نبوت

مکتبہ جام نور فیض العلوم جمشید پور (بہار)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھدیۂ تشکر

سب سے پہلے میں خدائے قدیر و کریم کی بارگاہ میں خراجِ تشکر پیش کرتا ہوں کہ اس نے زلزلہ کے ذریعہ لاکھوں سرگشتگانِ وادیٔ ضلالت کو حق و ہدایت کی منزل کی طرف چلنے کی توفیق مرحمت فرمائی و نیز اپنے فضل و کرم سے قلم کی ایک حقیر خدمت کو عالمی شہرت و اعزاز کا شرف بخشا۔
قارئین کرام اس واقعہ سے بےخبر نہ ہوں گے کہ ذہن و فکر میں زلزلہ ڈالنے والی اس تاریخی کتاب کے جواب میں دیوبندی جماعت کی طرف سے دو کتابیں شائع کی گئیں جس کے جواب الجواب پر مشتمل "زیر و زبر" کے نام سے ایک ضخیم کتاب میں نے تصنیف کی جو چھپ کر ساری دنیا میں پھیل گئی۔

بخیہ ادھیڑنے کا محاورہ غالباً آپ نے سنا ہوگا اگر اس محاورے کو محسوس شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں تو زیر و زبر کا مطالعہ فرمائیے۔ کتاب کیا ہے؟ دیوبند کے مسند نشینوں کے سروں پر قہرِ الٰہی کی ایک لٹکتی ہوئی تلوار ہے۔ پانچ سال سے یہ کتاب ان کی غیرت کو چیلنج کر رہی ہے لیکن ہر طرف موت کا سناٹا طاری ہے۔ اب دیوبندی عوام ہی اگر چاہیں تو ان کے علما کا مہر سکوت ٹوٹ سکتا ہے۔

زلزلہ کی ضرورت، اہمیت اور مقبولیت کے پیش نظر اب فوٹو آفسیٹ کی طباعت اور پلاسٹک کی خوبصورت جلد کے ساتھ ہم اسے اس شان سے پہلی بار عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اس بار کے ایڈیشن میں متعدد مقامات پر مفید اضافے اور ترمیم کیے گئے ہیں۔ کاغذ کی ہوشربا گرانی اور پلاسٹک جلد کی وجہ سے قیمت میں بھی اضافہ کرنا پڑا ہے۔

ارشد القادری
مہتمم مکتبہ جام نور فیض العلوم جمشید پور (بہار)
۱۷؍ اگست ۱۹۸۴ء

دیباچہ

اپنی اس کتاب کا نام "زلزلہ" رکھتے وقت زلزلہ کا مفہوم واضح طور پہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ کتاب افکار و تصورات کی دنیا میں تہلکہ خیز ثابت ہوگی۔ خیالات کے پرانے پیمانے ٹوٹیں گے۔ نظریات کی بنیادیں متزلزل ہوں گی مسلمات کی عمارتوں میں شگاف پڑے گا اور اذہان کی آبادیاں تہہ و بالا ہو کر رہیں گی۔

چنانچہ جب یہ کتاب چھپ کر مارکیٹ میں آئی اور اہل نظر کے مختلف حلقے اس سے روشناس ہوئے تو توقعات سے کہیں زیادہ اثر پذیری کے واقعات ظہور میں آئے۔ انصاف کی نظر سے جس نے بھی کتاب کا مطالعہ کیا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اپنے مواد اور طریقہ استدلال کے لحاظ سے یہ کتاب ملک کے وسیع حلقے پر اثر انداز ہوئی۔

دیوبندی علماء کے بارے میں جن حضرات کو یہ خوش فہمی تھی کہ عقیدۂ توحید کے صحیح علمبردار وہی ہیں اور انبیاء اور اولیاء کے متعلق جن عقیدوں کو وہ کفر و شرک قرار دیتے ہیں وہ کسی قلبی تکدر کے نتیجے میں نہیں بلکہ عقیدۂ توحید کی حمایت کے جذبے میں ہے۔

کتاب کے مطالعہ کے بعد انہیں بھی کچھ اسی طرح ذہنی تصادم سے دوچار ہونا پڑا کہ دیو بندی مذہب سے متعلق ان کے پچھلے تصورات کے سارے تار و پود بکھر گئے۔

جن خوش نصیبوں کو حق تعالیٰ نے حق قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی وہ تاریکیوں سے اجالوں کی طرف برملا واپس لوٹ آئے۔ لیکن جن کے قلوب کے دروازے مقفل تھے انھوں نے کتاب کے مطالعہ کے ردعمل سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ذہنی تسکین کا ایک نہایت گھٹیا طریقہ اختیار کیا کہ کتاب میں جتنے حوالے دیئے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہوں گے اور انعام کا اعلان صرف دھونس جمانے کے لیے ہے۔ لیکن جب انہیں حوالے کی اصل کتابیں دکھلا دی گئیں تو ان پر ایک سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی اور بہت دیر تک وہ محو حیرت رہے۔ بالآخر حسن فریب کا وہ سارا طلسم ٹوٹ گیا جس میں وہ سالہا سال سے اسیر تھے۔

دیوبندی علماء پر اس کتاب کا جو ردعمل ہوا وہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ تقریباً سبھی حضرات نے "مکمل خاموشی" کو اس کتاب کا بہترین جواب قرار دیا جب بھی ان کے سامنے کسی نے "زلزلہ" کی بات کی انھوں نے اپنے کان بند کر لیے۔

البتہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جب مولانا علی میاں کے سامنے "زلزلہ" کا وہ حصہ پیش کیا گیا جس کا تعلق ان کی کتاب "سیرت احمد شہید" میں بیان کیے گئے ایک واقعہ سے ہے تو انھوں نے اصل کتاب منگوائی۔ سوء اتفاق کہیے کہ حوالہ کی عبارت اور اصل کتاب کی عبارت میں دو لفظ کا فرق نکل آیا اور غضب یہ ہوا کہ "زلزلہ" میں جو بحث اٹھائی گئی تھی اس میں ساری بحث کا وہی مرکزی نقطہ تھا۔ اب وہ چند طلبہ جو "زلزلہ" کی حمایت میں سرگرم تھے سیکڑوں دوسرے طلبہ کے درمیان بالکل تنہا رہ گئے اور انہیں سخت ذلت و شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

دوسرے دن ایک طالب علم نے نہایت گرم اور تخیل دینے والا خط مجھے لکھا کہ آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر سید احمد شہید بریلوی کے متعلق علی میاں کی کتاب "سیرت احمد شہید" سے جو عبارت نقل کی ہے وہ یہ ہے:

"ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں۔ مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے دائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ احمد جلد اٹھ اور غسل کر۔

سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا۔ آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرزند آج شب قدر ہے۔ یاد الٰہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کر۔ اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔"

سیرت سید احمد شہید ص ۹۲

اس عبارت سے جو استدلال آپ نے کیا ہے وہ یہ ہے:

صحت واقعہ کی تقدیر پر کوئی بھی یہ سوال کر سکتا ہے کہ عالم بیداری میں حضور پر نور کی تشریف آوری کا عقیدہ کیا غیب دانی اور اختیار و تصرف کی اس قوت کو ثابت نہیں کرتا جسے کسی مخلوق میں تسلیم کرنا

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے شرک قرار دیا ہے۔ پس حضور کو اگر علم غیب نہیں تھا تو انہیں کیونکر معلوم ہوا کہ سید احمد بریلوی میرا فرزند ہے اور وہ فلاں مقام پر سو رہا ہے۔ پھر اگر حضور انور میں تصرف کی قدرت نہیں تھی تو اپنے حریم اقدس سے زندوں کی طرح کیوں کر باہر تشریف لائے۔

"زلزلہ" صفحہ ۲۱۶

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں ساری بحث کی بنیاد بیداری کی حالت میں واقعہ پیش آتے پر ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعہ بیداری کا نہیں بلکہ خواب کا ہے تو اب کسی اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ کیوں کہ خواب میں محال سے محال چیز بھی دیکھی جا سکتی ہے
اتنی تفصیل کے بعد اس طالب علم نے مجھے اطلاع دی کہ اصل کتاب میں بیان واقعہ کی عبارت یوں ہے۔

تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے ہاتھ پکڑ کر جگایا آپ نے خواب میں دیکھا۔۔۔ الخ

جب کہ آپ کی منقولہ عبارت میں "خواب میں" کا لفظ نہیں ہے۔ اس لیے حالت بیداری کی بنیاد پر جو الزام آپ نے مصنف پر عائد کیا ہے وہ سر تا سر غلط اور بے محل ہے۔

اس طالب علم کا خط پڑھ کر مجھے تھوڑی دیر کے لیے پریشانی ضرور لاحق ہوئی

چڑھتا ہوا ان کے قلب پر سے گذر گیا یہ کیا تھا؟ خود ہی اس کی تشریح بھی انھیں سے بایں الفاظ اسی کتاب میں پائی جاتی ہے کہ نماز کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسروں کے قلوب پر موجیں مارنے لگے اور تحمل دشوار ہو جائے۔" (سوانح قاسمی، ج ۱ ص ۳۴۵)

اصل واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"خود ہی بتائیے کہ فکری اور دماغی علم والے بھلا اس کا کیا مطلب سمجھ سکتے ہیں؟ کہاں میرٹھ اور کہاں چھتہ کی مسجد! میرٹھ سے دیوبند کا مکانی فاصلہ درمیان میں حائل نہ ہوا۔"

(سوانح قاسمی، ج ۱ ص ۳۴۵)

بتایئے! اب اس ان کہی کو کیا کہا جائے؛ یہ معمہ تو گیلانی صاحب اور ان کی جماعت کے علماء ہی حل کر سکتے ہیں کہ جو فاصلہ مکانی ان حضرات کے نزدیک انبیاء اور سید الانبیاء تک پر حائل رہتا ہے وہ نانوتوی صاحب پر کیوں نہیں حائل ہوا۔ اور مولوی یعقوب صاحب کی غیبی قوت ادراک کا کیا کہنا کہ انھوں نے تو دیوبند میں بیٹھے بیٹھے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی وہ غیبی توجہ تک معلوم کر لی جو انھوں نے میرٹھ سے ان کی طرف مبذول کی تھی۔ اور وہ بھی اتنا جھٹ پٹ کہ نماز کے بعد غور کیا اور سارا معاملہ اسی

لمحے منکشف ہوگیا۔ دنوں ہفتوں اور مہینوں کی بات تو الگ رہی، گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی وقفہ نہ گذرا۔ لیکن شرم سے سر جھکا لیجئے کہ گھر کے بزرگوں کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پوری جماعت کا عقیدہ یہ ہے:

> "بہت سے امور میں آپ کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا بلکہ فکرو پریشانی میں واقع ہونا اور باوجود اس کے پھر مخفی رہنا ثابت ہے۔ قصۂ افک میں آپ کی تفتیش واستکشاف بابلغ وجوہ صحاح میں مذکور ہے مگر صرف توجہ سے انکشاف نہیں ہوا۔ بعد ایک ماہ کے وحی کے ذریعہ اطمینان ہوا۔" (حفظ الایمان ص۷ مؤلفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی)

اب اس بے وفائی کا انصاف تو رسول عربی کی وفادار امت ہی کرے گی کہ خود تو حضرات آن واحد میں سیکڑوں میل کی مسافت سے دلوں کے مخفیات پر مطلع ہوجاتے ہیں لیکن رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ایک ماہ کی طویل مدت میں بھی کسی مخفی امر کے انکشاف کی قوت تسلیم نہیں کرتے۔

کیا اتنی کھلی ہوئی شہادتوں کے بعد بھی حق وباطل کی راہوں کا تعین محسوس کرنے کے لیے مزید کسی نشانی کی ضرورت باقی رہ گئی ہے؟ محشر کی تپتی ہوئی سرزمین پر رسول عربی کی شفاعت کے امیدوارو! جواب دو؟؟۔

کسی بھی کتاب کے قارئین کے لیے وہ مرحلہ سخت آزمائش کا ہوتا ہے جب دیانت وانصاف کا تقاضا پورا کرنے کے لیے اپنے ممدوح کے خلاف فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

(۶)

غیبی قوت ادراک کے تصرف کا ایک عجیب وغریب واقعہ

ارواح ثلثہ میں مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک شاگرد رشید مولوی منصور علی خاں مرادآبادی کی ایک جنوں انگیز "آپ بیتی" نقل کی گئی ہے خود مولوی منصور علی خاں کی زبانی یہ دلچسپ اور پُراسرار قصہ سُنیئے۔ بیان کرتے ہیں کہ:

"مجھے ایک لڑکے سے عشق ہوگیا اور اس قدر اسکی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گزرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہوگئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت (مولانا نانوتوی) کی فراست نے بھانپ لیا۔ لیکن سبحان اللہ! تربیت ونگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا، فرمایا، ہاں بھائی وہ تمہارے پاس آتے بھی ہیں یا نہیں؟ میں شرم وحجاب سے چُپ رہ گیا تو فرمایا نہیں بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں اس میں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اس طریق سے مجھ سے بات کی کہ میری ہی زبان سے اس محبت کا اقرار کرالیا اور کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی بلکہ دلجوئی فرمائی۔" (ارواح ثلثہ صد ۲۴۶)

اس کے بعد لکھا ہے کہ جب میری بے چینی بہت زیادہ بڑھ گئی اور عشق کے ہاتھوں میں بالکل تنگ آگیا تو ناچار ایک دن مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"حضرت! اللہ میری اعانت فرمائیے۔ میں تنگ آگیا ہوں اور عاجز ہو چکا ہوں ایسی دعا فرما دیجئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے، تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے۔ بس جوش ختم ہو گیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا، نکما ہو گیا، اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لیے میری امداد فرمائیے۔ فرمایا۔ بہت اچھا! بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔"

(ارواحِ ثلثہ صفحہ ۲۴۷)

اب نماز کے بعد کا واقعہ سنیئے۔ "مبتلائے غم جاناں" بیان کرتا ہے کہ:

"میں مغرب کی نماز پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب؟ میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔

خدا کی قسم میں نے بالکل عیاناً (کھلی آنکھوں سے) دیکھ کر
میں عرش کے نیچے ہوں اور یہ چہار طرف نور اور روشنی نے میرا احاطہ
کر لیا ہے گویا میں دربار الہٰی میں حاضر ہوں۔" (ارواح ثلثہ ص ۲۴۷)

غیب کی نقاب کشائی کی ذرا یہ شان ملاحظہ فرمایئے کہ پارس پتھر کی طرح ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہی آنکھیں روشن ہو گئیں اور عرش تک کے سارے حجابات آن واحد میں اٹھ گئے اور صرف اٹھ ہی نہیں گئے بلکہ اپنے "رنگین مزاج" شاگرد کو پلک جھپکتے وہاں پہنچا دیا جہاں بجز سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم گیتی کا کوئی انسان اب تک نہیں پہنچ سکا

عالم غیب پر اپنے اقتدار کے تسلط کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ جسے چاہا غیب داں بنا دیا لیکن محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں بیک زبان سب متفق ہیں کہ کسی اور کو حرم سرائے غیب کا محرم بنانا تو بڑی بات ہے کہ وہ خود غیب کی بات نہیں جانتے اور عرش کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ فرش بھی ان کی نگاہ سے اوجھل ہے۔
آپ ہی منصفی سے کہیئے کہ کیا یہی شیوۂ اسلام اور تقاضائے کلمہ گوئی ہے؟

دیوبندی مکتب فکر کی بنیاد ہلا دینے والی ایک کہانی

مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی نے ان ہی مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے متعلق اپنی کتاب سوانح قاسمی میں اچنبھے میں ڈال دینے والی ایک حکایت بیان کی ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا موصوف کا کسی ایسے گاؤں میں گزر ہوا جہاں

شیعوں کی کثیر آبادی تھی۔ سنیوں کو جب ان کی آمد کی خبر ہوئی تو موقع غنیمت جانا اور ان کے وعظ کا اعلان کر دیا۔ اعلان سنتے ہی شیعوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ انھوں نے جلسہ وعظ کو ناکام بنانے کے لیے لکھنؤ سے چار مجتہد بلائے اور پروگرام یہ طے پایا کہ مجلس وعظ میں چاروں کونوں پر یہ چاروں مجتہد بیٹھ جائیں اور چالیس اعتراض منتخب کر کے دس دس اعتراض چاروں پر بانٹ دیئے گئے کہ اثنائے وعظ میں ہر ایک مجتہد الگ الگ اعتراض کرے اور اس طرح جلسۂ وعظ کو درہم برہم کر دیا جائے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود سوانح نگار کے الفاظ میں سنیئے، لکھتے ہیں:۔

"حضرت والا کی کرامت کا حال سنئے کہ حضرت نے وعظ شروع فرمایا جس میں گاؤں کی تمام شیعہ برادری بھی جمع تھی اور وہ وعظ اسی ترتیب سے اعتراضوں کے جواب پر مشتمل شروع ہوا جس ترتیب سے اعتراضات لے کر مجتہدین بیٹھے تھے۔ گویا ترتیب کے مطابق جب کوئی مجتہد اعتراض کرنے کے لیے گردن اٹھاتا تو حضرت اسی اعتراض کو خود نقل کر کے جواب دینا شروع فرماتے۔ یہاں تک کہ وعظ پورے سکون کے ساتھ پورا ہوا۔" (حاشیہ سوانح قاسمی، ج ۲ ص ۱۶)

اس واقعہ کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ اس سے بھی زیادہ عبرتناک اور عجیب ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

مجتہدین اور مقامی شیعہ چودھریوں کی اس میں اپنی انتہائی ذ...

دخفت محسوس ہوئی تو انھوں نے حرکت مذبوحی کے طور پر اس شرمندگی کو مٹانے اور حضرت والا کے اثرات کا ازالہ کرنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ ایک نوجوان کا فرضی جنازہ بنایا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ حضرت نماز جنازہ آپ پڑھا دیں۔

پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیر کہہ لیں تو صاحب جنازہ یک دم اٹھ کھڑا ہو اور اس پر حضرت کے ساتھ استہزا اور تمسخر کیا جائے۔ حضرت والا نے معذرت فرمائی کہ آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی ہوں۔ اصولِ نماز الگ الگ ہیں۔ آپ کے جنازے کی نماز مجھ سے پڑھوانی جائز کب ہوگی؟ شیعوں نے عرض کیا کہ حضرت! بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے آپ تو نماز پڑھا ہی دیں۔ حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرمایا اور جنازے پر پہنچ گئے۔ مجمع تھا۔ حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے کہ چہرے پر غصے کے آثار دیکھے گئے، آنکھیں سرخ تھیں اور انقباض چہرے سے ظاہر تھا۔ نماز کے لیے کہا گیا تو آگے بڑھے اور نماز شروع کر دی۔ دو تکبیر کہنے پر جب طے شدہ پروگرام کے مطابق جنازے میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے "ہونہہ" کے ساتھ کھنکار دی۔ مگر وہ نہ اٹھا۔

حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصے کے لہجے میں فرمایا اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا۔ دیکھا گیا تو وہ مردہ تھا شیعوں میں رونا پیٹنا پڑ گیا۔" (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰)

قسم ہے آپ کو جلالت خداوندی کی جس کی ہیبت سے مومن کا کلیجہ لرزتا رہتا ہے۔ حق کیساتھ انصاف کرنے میں کسی کی پاسداری نہ کیجئے گا۔

یہ دونوں واقعے آپ کے سامنے ہیں۔ پہلے واقعہ میں نانوتوی صاحب کے لیے غیبی علم وادراک کی وہ عظیم قوت ثابت کی گئی ہے جس کے ذریعہ انھوں نے الگ الگ مجتہدین کے دل میں چھپے اعتراض کو اسی ترتیب کے ساتھ معلوم کرلیا جس ترتیب کے ساتھ وہ اپنے اپنے دلوں میں چھپا کر لائے تھے۔

گھر کے بزرگ کے لیے تو جذبۂ اعتراف کی یہ فراوانی ہے کہ دلوں کے چھپے ہوئے خطرات آئینے کی طرح ان کے پیش نظر ہیں۔ اپنے مولانا کے لیے اس غیبی قوت ادراک کا اعتراف کرتے ہوئے نہ شرک کا کوئی قانون دامنگیر ہوا اور نہ مشرب توحید سے کوئی انحراف نظر آیا۔ لیکن انبیاء و اولیا کے حق میں اسی غیبی قوت ادراک کے سوال پر ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

> "کچھ اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں ہے کہ اللہ نے غیب دانی اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کا احوال جب چاہیں معلوم کرلیں یا جس غائب کا احوال جب چاہیں معلوم کرلیں کہ وہ جیتا ہے یا مرگیا یا کس شہر میں ہے۔" (تقویۃ الایمان صفحہ ۲۵)

انصاف ودیانت کی روشنی میں چلنے کی تمنا کرنے والو! حق وباطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کے لیے کیا اب بھی کسی مزید نشاندہی کی ضرورت ہے؟

ایک واقعہ پر تبصرہ ختم ہوا اب دوسرے واقعہ پر اپنی توجہ مبذول فرمایئے۔ واقعہ کی یہ تفصیل تو پچھلی جگہ پر ہے کہ نمازِ جنازہ کے لیے کھڑے ہوئے تو فرطِ غضب سے آنکھیں سُرخ تھیں جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف کو اپنی غیبی قوتِ ادراک کے ذریعے پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تابوت کے اندر کا جنازہ مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہے۔ اور صرف ازراہِ تمسخر انھیں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا ہے۔

لیکن کہانی کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ اُنھوں نے تکبیرات اربعہ پوری کرنے کے بعد اسی غصے کے لہجے میں فرمایا کہ "اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اُٹھ سکتا"۔ اس فقرے کا مدّعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ موصوف کی قوتِ تصرّف سے اچانک اس کی موت واقع ہو گئی اور معًا اس کا علم بھی انھیں ہو گیا۔

اب ٹھیک اس روایت کی دوسری سمت میں دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب "تقویۃ الایمان" کی یہ عبارت پڑھیئے اور دریائے حیرت میں غوطہ لگایئے۔

> "عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء و اولیاء کی، پیر و مرشد کی، بھوت و پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔"
>
> (تقویۃ الایمان ص۱۰)

ایک طرف دیوبندی مذہب کا یہ عقیدہ پڑھیئے اور دوسری طرف نانوتوی صاحب کا وہ واقعہ پڑھیے۔ صاف عیاں ہو جائے گا کہ ان حضرات کے یہاں شرک کی ساری بخشش

صرف انبیاء و اولیاء کی حرمتوں سے کھیلنے کے لیے ہیں ورنہ ہر شرک اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام ہے۔

عقیدۂ توحید کے ساتھ تصادم کا ایک اور واقعہ

بات چل پڑی ہے تو عقیدۂ توحید کے ساتھ تصادم

کا اب اس سے بھی زیادہ خونریز واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے سوانح نگار خواجہ عزیز الحسن نے اپنی کتاب میں تھانوی صاحب کے احباب کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت حافظ احمد حسین صاحب شاہجہانپوری جو باوجود شاہجہانپور کے بڑے رئیس ہونے کے صاحب سلسلہ بزرگ بھی تھے۔ ایک بار کسی کے لیے بددعا کی تو وہ شخص دفعتًہ مر گیا۔ بجائے اس کے کہ اپنی اس کرامت سے خوش ہوتے، ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا (تھانوی صاحب) سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟"

(اشرف السوانح، ج ۱ صہ ۱۲۵)

تھانوی صاحب کا یہ ایمان شکن جواب دیدہ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے تحریر فرمایا کہ:

"اگر آپ میں قوتِ تصرف ہے اور بددعا کرنے کے وقت آپ نے اس قوت سے کام لیا تھا۔ یعنی یہ خیال قصداً اور قوت کے ساتھ

لیکن جو الجھن اصل کتاب دیکھنے کے بعد فوراً زائل ہو گئی۔ الحمدللہ کہ خود کی عبارت حرف بحرف اس اصل کتاب کے مطابق تھی جس کے پبلشر مولانا محمد ناظم صاحب ندوی ہیں اور جو بہ اہتمام سید توسل حسین منیجر لونا ماڈل انڈیا پریس لکھنؤ میں چھپا ہے۔

علاوہ ازیں عبارت کے سیاق و سباق میں متعدد قرائن بھی ایسے موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ حالت بیداری کا ہے۔ پس اگر کتاب کے کسی نئے ایڈیشن میں "خواب میں" کا لفظ بڑھایا گیا ہے تو قرائن کی موجودگی میں مقام کی یہ خیانت چھپائے نہیں چھپ سکے گی۔

اب ذیل میں ان قرائن کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

پہلا قرینہ تو یہ ہے کہ صاحب مخزن کی روایت کے مطابق جو علی میاں کی کتاب کا ماخذ ہے۔ جب رمضان کی اکیسویں شب کو سید صاحب حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس عشرہ کی کس رات میں شب بیداری کرکے شب قدر کی سعادت حاصل کی جائے تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارے حال پر سید کا فضل ہے تو شب قدر میں اگر تم سوتے بھی رہو گے تو اللہ تم کو جگا کر اس کی برکات میں شریک کر دے گا۔ چنانچہ ان کے زمانے کے مطابق جب آپ سو گئے تو دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جگانے کے بعد جو واقعہ پیش آیا۔ وہ خواب کا نہیں بیداری کا ہے۔ ورنہ شاہ صاحب کی پیشن گوئی بالکل خلاف واقعہ ہو کے رہ جاتی ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ عقلی دلالت سے بھی زیر بحث عبارت "خواب میں" کے اضافے کی متحمل نہیں ہے۔ کیونکہ اضافے کے بعد عبارت یوں ہو گی۔

"دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ آپ نے خواب میں دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

کیا تھا کہ یہ شخص مرجائے تب تو قتل کا گناہ ہوا، اور چونکہ یہ قتل شبہ عمد ہے اس لیے دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔"

(اشرف السوانح، ج ۱ صـ۱۲۵)

اب اسی کے ساتھ دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب "تقویۃ الایمان" کی یہ عبارت پڑھیے انبیاء و اولیا کی قوت تصرف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اور اس بات کی ان میں کوئی بڑائی نہیں کہ اللہ نے ان کو عالم میں تصرّف کرنے کی کچھ قدرت دی ہو کہ جس کو چاہیں مار ڈالیں"۔

(تقویۃ الایمان صـ۲۵)

دیکھ رہے ہیں آپ! تصرف کی یہی قوت انبیاء و اولیا کے لیے تسلیم کرنا دیوبندی مذہب میں شرک ہے اور ان کے تئیں یہ شان صرف اللہ کی ہے۔ جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کیسی قیامت ہے کہ اسی شرک کو اپنے گلے کا ہار بنا لینے کے باوجود تھانوی صاحب اور ان کے متبعین روئے زمین کے سب سے بڑے توحید پرست کہلانے کے مدعی ہیں۔

(۸)

اپنے بزرگوں کے لیے ایک شرمناک دعویٰ

مولوی انوار الحسن ہاشمی مبلغ دارالعلوم دیوبند نے "مبشّراتِ دارالعلوم" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو دارالعلوم کے محکمۂ نشر و اشاعت کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ کتاب کے پیش لفظ کا یہ حصّہ خاص طور پر پڑھنے کے

قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیۂ نفس اور روحانی تربیت میں گزرتا ہے، باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو منجانب اللہ ایسا ملکۂ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پردہ امور "خود بخود" منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔" (مبشرات دارالعلوم ص۱۳)

لیکن غیرت اسلامی کو آواز دیجئے کہ کشف کا یہی ملکۂ راسخہ جو دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کو تزکیۂ نفس کی بدولت حاصل ہو جاتا ہے اور جس کے ذریعہ مخفی امور ان پر خود بخود منکشف ہو جایا کرتے ہیں۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ حضرات تسلیم نہیں کرتے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تصوف کی مستند کتابوں میں جب امت کے بعض اولیاء کے لیے کشف کا ثبوت ملتا ہے تو روئے زمین کے علم کے سلسلے میں اگر سردار انبیاء و اولیاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی کشف مان لیا جائے تو کیا قیامت لازم آتی ہے۔؟ تو اس کا جواب یوں عنایت فرماتے ہیں :۔

"ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔ اگر آپ نے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرما دے ممکن ہے۔ مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا

کس (دلیل) سے ثابت ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے۔"

(براہین قاطعہ ص۵۲)

گروہی پاسداری کے جذبے سے بالاتر ہو کر فیصلہ کیجئے کہ رسول الثقلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کشف تو شیطان کی عصا پر موقوف رکھا گیا ہے لیکن دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کو ریاضت اور تزکیہ نفس کے بل پر یہ کشف خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حصول کشف کا ذریعہ اگر تزکیہ نفس اور ریاضت ہی ہے جیسا کہ اوپر گزرا تو اس تفریق کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ حضرات اپنے بزرگوں کو ریاضت اور تزکیہ نفس میں معاذ اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل و برتر سمجھتے ہیں۔

پھر مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کو ایک ساتھ نظر میں رکھنے کے بعد ایک تیسرا سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اپنے بزرگوں کے حق میں ملکۂ راسخہ کے نام سے کشف کی یک ایک ایسی دائمی اور ہمہ وقتی قوت مان لی گئی جس کے بعد اب فرداً فرداً ایک ایک مخفی شئی کے علم کے ثبوت کی احتیاج ہی باقی نہیں رہ جاتی بلکہ تنہا یہی قوت سارے مخفیات کے انکشاف کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔

لیکن تنگ دلی کا کہ علم و انکشاف کا یہی ملکۂ راسخہ رسول مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔ یہاں فرداً فرداً ایک ایک شئی کے علم کے بارے میں دلیل خاص کا مطالبہ کرتے ہیں کہ خدا نے عطا کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیجئے۔ ذات نبوی کو منشاء علم تسلیم کرتے سے انکار کرتے ہوئے قاری طیب صاحب لکھتے ہیں:

"یہ صورت نہ تھی کہ آپ کو نبوت کے مقام رفیع پر پہنچا کر یکدم اور اچانک ذات پاک نبوی کو منشاء علم بنا دیا گیا ہو اور ضرورتوں اور

حوادث کے وقت "خود بخود" آپ کے اندر سے علم ابھر آتا ہو۔"
(فاران کراچی کا توحید نمبر صد ۱۱۳)

یہ "خود بخود" گھر کے بزرگوں کے لیے بھی تھا اور "خود بخود" یہاں بھی ہے لیکن وہاں علمی رتبہ بڑھانے کے لیے تھا یہاں گھٹانے کے لیے ہے۔

اب آپ ہی انصاف سے کہئے کہ زاویۂ نگاہ کا یہ فرق کیا اس غبار خاطر کا پتہ نہیں دیتا جو کسی کے دل میں کسی کی طرف سے پیدا ہو جانے کے بعد اعتراف حقیقت کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے۔

لگاتار غیبی مشاہدات

اب ذیل میں دارالعلوم دیوبند کے کامل الایمان بزرگوں کی غیب دانی سے متعلق وہ واقعات ملاحظہ فرمایئے جن کی تشہیر کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی ایک عمارت کے متعلق مولوی رفیع الدین صاحب سابق مہتمم کا یہ کشف بیان کیا گیا ہے کہ:۔

"حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے کشف سے معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ نودرے کی وسطی درسگاہ سے عرش معلٰی تک میں نے نور کا ایک سلسلہ دیکھا ہے۔" (مبشرات صد ۳۱)

اب دیوبند کے قبرستان کے متعلق ایک دوسرا کشف ملاحظہ فرمایئے:۔

"خطیرۂ قدسیہ یا خطہ صالحین یعنی جس قبرستان میں حضرت مولانا

نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سیکڑوں علماء و طلباء مدفون ہیں، اس حصے کے متعلق شاہ رفیع الدین صاحب کا کشف تھا کہ اس حصے میں مدفون ہونے والا انشاء اللہ مغفور ہوگا۔" (مبشرات ص۱۱)

واضح رہے کہ "انشاء اللہ" کی یہ قید محض سخن تکیہ کے طور پر ہے ورنہ انشاء اللہ کی قید کے ساتھ تو ہر قبرستان کا مدفون مغفرت یافتہ ہے۔ پھر دیوبندی قبرستان کے متعلق کشف کی خصوصیت کیا رہی۔

اب آخر میں مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی قبر کے متعلق ایک عجیب و غریب کشف ملاحظہ فرمایئے:۔

"حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مجددی نقشبندی سابق مہتمم دار العلوم کا مکاشفہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کی قبر، عین کسی نبی کی قبر میں ہے۔" (مبشرات ص۳۶)

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کشف سے موصوف کی کیا مراد ہے۔ کیا دیوبند میں کسی نبی کی قبر پہلے سے موجود تھی جسے خالی کرایا گیا اور نانوتوی صاحب کو وہاں دفن کیا گیا۔ اگر ایسا ہے تو اس نبی کی قبر کی نعش ندہی کس نے کی؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کشف سے موصوف کی کیا مراد ہے؟

اگر لفظوں کے الٹ پھیر سے صرف نظر کر لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ غیر واضح الفاظ میں وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ نانوتوی صاحب کی قبر عین کسی نبی کی قبر ہے اور بھی زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ نانوتوی صاحب کے حق میں اگرچہ کھل کر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے لیکن دبی زبان سے یہ روایت ضرور نقل کی گئی ہے کہ ان پر کبھی کبھی نزول وحی کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ جیسا کہ گیلانی صاحب نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ ایک دن مولانا نانوتوی نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے شکایت کی کہ:۔

"جہاں تسبیح لیکر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اس قدر گرانی کہ جیسے سوسو من کے پتھر کسی نے رکھ دیئے ہوں۔ زبان و قلب سب بستہ ہوجاتے ہیں۔" (سوانح قاسمی، ج ا صفحہ ۲۵۹)

اس شکایت کا جواب حاجی صاحب کی زبانی یہ نقل کیا گیا ہے:۔

"یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے۔ اور یہ وہ (ثقل گرانی) ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا تم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔"

(سوانح قاسمی ج ا صفحہ ۲۵۹)

نبوت کا فیضان، وحی کی گرانی اور کار انبیا کی سپردگی، ان سارے لوازمات کے بعد بھی نہ سہی لفظوں میں ادعائے نبوت کیا جائے جب بھی اصل مدعا اپنی جگہ پر ہے۔

اس کتاب کا پہلا باب جو بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے واقعات وحالات پر مشتمل تھا، یہاں پہنچ کر تمام ہو گیا۔

جس تصویر کا پہلا رُخ کتاب کے ابتدائی حصے میں آپ کی نظر سے گزر چکا ہے یہ اس کا دُوسرا رُخ تھا۔ اب چند لمحے کی فرصت نکال کر ذرا دونوں رُخوں کا موازنہ کیجئے اور صداقت ودیانت کے ساتھ فیصلہ دیجئے کہ تصویر کے پہلے رُخ میں جن عقائد ومسائل کو ان حضرات نے شرک قرار دیا تھا جب اُن ہی عقائد ومسائل کو تصویر کے دوسرے رُخ میں انھوں نے سینے سے لگا لیا تو اب کس مُنہ سے وہ اپنے آپ کو موحد اور دوسروں کو مشرک قرار دیتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں دُوسروں کو جھٹلانے کی ایک سے ایک مثال ملتی ہے۔ لیکن اپنے آپ کو جھٹلانے کی اس سے زیادہ شرمناک مثال اور کہیں نہ مل سکے گی۔

طرفہ تماشہ یہ ہے، کہ عقیدۂ توحید کے ساتھ تصادم کے یہ واقعات صرف مولوی قاسم صاحب نانوتوی ہی تک محدود نہیں ہیں کہ اسے حسن اتفاق پر محمول کر لیا جائے بلکہ دیوبندی جماعت کے جتنے بھی مشاہیر ہیں کم وبیش سبھی اس الزام میں ملوث نظر آتے ہیں جیسا کہ آئندہ اوراق میں آپ پڑھ کے حیران وششدر رہ جائیں گے۔

دوسرا باب

دیوبندی جماعت کے مذہبی پیشوا جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے بیان میں

اس باب میں

پیشوائے دیوبند مولوی رشید احمد صاحب
گنگوہی کے متعلق دیوبندی لٹریچر سے ایسے
واقعات وحقائق جمع کیے گئے ہیں جن میں عقیدۂ
توحید سے تصادم، اصولوں سے انحراف، مذہبی خود
کشی اور منہ بولے شرک کو اپنے حق میں ایمان واسلام
بنا لینے کی حیرت انگیز مثالیں ورق ورق پر بکھری
ہوئی ہیں۔ انہیں چشم حیرت سے پڑھیے
اور ضمیر کا فیصلہ سننے کے لیے
گوش بر آواز رہیے!

سلسلہ واقعات

غیب دانی اور دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کے آٹھ واقعات | دیوبندی مذہب کے سرگرم حامی مولوی

عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید کے نام سے دو جلدوں میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی سوانح حیات لکھی ہے ذیل کے اکثر واقعات ان ہی کی کتاب سے اخذ کیے گئے ہیں۔

دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے اور مخفی امور کے مشاہدات سے متعلق اب ذیل میں واقعات کا سلسلہ ملاحظہ فرمایئے:۔

پہلا واقعہ

ولی محمد نام کا ایک طالب علم جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خانقاہ میں پڑھتا تھا اس کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

> "ایک بار مکان سے خرچ آنے میں دیر ہوئی اور ان کو ایک یا دو فاقوں کی نوبت آپہنچی۔ مگر انہوں نے کسی سے ذکر کیا نہ کسی صورت

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

کسی دانشور کے نزدیک یہ عبارت بالکل بے جوڑ کہی جائے گی۔ کیوں کہ جگانے کے بعد زندہ عقل جاگتی ہی متوقع ہے نہ کہ خواب دیکھنا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ حود تقویتیں آپ سے خواب کا نہیں بیداری کا تھا۔

تیسرا قرینہ یہ ہے کہ صاحب مخزن کی روایت کے مطابق سید صاحب بارہا فرمایا کرتے تھے کہ اس رات کو لذت نفس سے واردات عجیب اور واقعات غریب دیکھنے میں آئے اور اس وقت فنا کلی اور استغراق کامل مجھے حاصل ہوا۔

سوال یہ ہے کہ جگانے کے بعد بھی اگر وہ سوتے ہی رہے تو اس میں فنضل خداوندی کی کیا بات ہوئی اور استغراق کامل کی کیفیت تو بیداری ہی کی حالت میں قابل ذکر ہو سکتی ہے نیند کی حالت میں تو سبھی مستغرق نظر آتے ہیں۔

چوتھا قرینہ یہ ہے کہ صبح کو جب سید صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کی تو دیکھتے ہی انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج کی شب تم اپنی مراد کو پہنچ گئے۔

سوال یہ ہے کہ جو شخص شب قدر میں ساری رات سوتا رہا اور رسول و صدیق صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جگانے پر بھی نہیں جاگا۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ تم اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ جتنا لغو، مہمل اور مضحکہ خیز ہو سکتا ہے اظہر من الشمس ہے۔

ان جملہ نکات والجاثت پر مشتمل میں نے ندوہ کے طالب علم کو جواب لکھ بھیجا اور وہ لوگ خاموش ہو گئے یا مطمئن ہو گئے۔

دیوبندی علماء کے گروہ میں مولانا عامر عثمانی مدیر تجلی دیوبند وہ تنہا شخص ہیں جنھوں

دیکھتی تھی تو اس پنج گانہ کی طرح وہ ہر وقت اس قوت سے کام لیتے رہتے تھے۔

اپنے گھر کے بزرگوں کی غیب دانی کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے لیکن انبیاء و اولیاء کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی عام زبان یہ ہے:۔

"جو کوئی کسی کے متعلق یہ سمجھے کہ) جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم اس کے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے۔ اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں۔" (تقویۃ الایمان ص۱)

اب اس بے انصافی کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ ایک ہی عقیدہ جو انبیاء و اولیاء کے بارے میں شرک ہے وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام و ایمان بن گیا ہے۔

کیا اب بھی حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کے لیے مزید کسی نشانی کی ضرورت باقی رہ گئی ہے؟ اپنے ضمیر کی آواز پر فیصلہ کیجیے!

دوسرا واقعہ

دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کا ایک اور واقعہ سنیے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ ذی مولانا ضیاء المومن صاحب حاضر خدمت تھے دل میں وسوسہ گزرا کہ بزرگوں کے حالات میں زہد و فقر و تنگ دستی

غالب دیکھی گئی ہے اور حضرت کے جسم مبارک پر جو لباس ہے وہ مباح و مشروع ہے مگر بیش قیمت ہے۔

حضرت امام ربانی (مولانا گنگوہی) اس وقت کسی سے باتیں کر رہے تھے دفعتاً ادھر متوجہ ہو کر فرمایا کہ عرصہ ہوا مجھے کپڑے بنانے کا اتفاق نہیں ہوتا لوگ خود بنا بنا کر بھیج دیتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ تو ہی پہننا، ان کی خاطر سے پہنتا ہوں، چنانچہ جتنے کپڑے ہیں سب دوسروں کے ہیں۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷۳)

اس واقعہ کا یہ رُخ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے کہ دل کے اس خطرے پر مطلع ہونے کے لیے انہیں کسی خاص توجہ کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی دوسرے شخص کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتے ہوئے بھی وہ مولوی عبد المومن صاحب کے دل کے وسوسے سے باخبر ہو گئے۔ اس واقعہ سے ان کی ہمہ جہتی آگہی کا پتہ چلتا ہے، اور میرا خیال اگر غلط نہیں ہے تو یہ شان صرف خدا کی ہے کیونکہ انسان کے بارے میں تو ہمیشہ یہی تصور رہا ہے کہ اس کی قوت ادراک ایک وقت میں ایک ہی طرف متوجہ ہو سکتی ہے۔

اب چشم عبرت سے لہو ٹپکنے کی بات یہ ہے کہ دیوبندی حضرات کے امام ربانی تو بغیر کسی خاص توجہ کے بھی فی الفور دل کے مخفی حال پر مطلع ہو گئے۔ لیکن سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

"بہت سے امور میں آپ کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا بلکہ فکر و پریشانی میں واقع ہونا اور باوجود اس کے پھر مخفی رہنا ثابت ہے۔" (حفظ الایمان ص ۷)

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے! یہ سر پیٹ لینے کی بات ہے یا نہیں کہ غیبی ادراک کی جو قوت ان حضرات کے نزدیک ایک ادنیٰ اُمتی کے لیے ثابت ہے وہ خدا کے محبوب پیغمبر اور امام الانبیاء کے لیے ثابت نہیں ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ۝

تیسرا واقعہ

لکھتے ہیں کہ:۔

"مولوی نظر محمد خاں صاحب فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ جس وقت آپ سے بیعت ہوئیں تو چونکہ مجھے طبعی طور پر غیرت زیادہ تھی اس لیے عورت کو باہر آنا یا کسی اجنبی مرد کو آواز سنانا بھی گوارا نہ تھا اس وقت بھی یہ وسوسہ بھی میرے ذہن میں آیا کہ حضرت میری اہلیہ کی آواز سنیں گے مگر یہ حضرت کی کرامت تھی کہ کشف سے میرے دل کا وسوسہ دریافت کر لیا اور یوں فرمایا کہ اچھا! مکان کے اندر بٹھلا کر کواڑ بند کردو۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص۵۲)

اس واقعہ کے اندر بالکل صراحت ہے اس امر کی کہ گنگوہی صاحب نے ان کے دل کا یہ وسوسہ الہام خداوندی کے ذریعہ نہیں بلکہ اپنی قوت کشف کے ذریعہ دریافت فرمایا ہے لیکن صد حیف کہ یہی قوت کشف پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔ اور دیوانوں کی طرح شور مچانے لگتے ہیں کہ یہ تو خدا کے ساتھ برابری ہوگئی۔ ایک پیغمبر کو خدا کا منصب دے دیا گیا۔

چوتھا واقعہ

لکھتے ہیں کہ:۔

"مولانا علی رضا صاحب حضرت کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں زمانہ طالبعلمی میں مجھے ایسا مرض لاحق ہوا کہ وضو قائم نہ رہتا تھا۔ بعض نماز کے لیے تو کئی کئی بار وضو کرنا پڑتا تھا

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ فجر کی نماز کو بندہ مسجد میں سویرے آ گیا سردی کا موسم تھا اور اس دن اتفاق سے جاڑہ بھی زیادہ تھا بار بار وضو کرنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی، جی چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد نماز سے فراغت ہو جائے۔ تقدیری بات کہ امام ربانی نے اس دن معمول سے بھی کچھ زیادہ دیر لگائی۔ میں کئی مرتبہ سخت سردی میں وضو کرنے سے پریشان ہوا اور وسوسہ گزرا کہ ایسی بھی کیا حنفیت ہے؟ حضرت ابھی اسفار ہی کے منتظر ہیں اور ہم وضو کرتے کرتے مرے جاتے ہیں لحظہ دو لحظہ کے بعد حضرت تشریف لائے اور جماعت کھڑی ہو گئی۔ فراغت کے بعد حسب معمول دیگر اشخاص کے ہمراہ میں بھی حضرت کے پیچھے پیچھے حجرہ شریفہ تک گیا۔ جب سب لوگ لوٹ گئے اور حضرت نے دروازہ بند کرنا چاہا تو مجھے پاس بلا کر ارشاد فرمایا۔ بھائی! یہاں کے لوگ نماز فجر کے واسطے تاخیر کر کے آتے ہیں اس وجہ سے میں بھی دیر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت حجرہ میں

تشریف لے گئے اور میں ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگیا۔"

(تذکرۃ الرشید ج ۲ صفحہ ۲۴۴)

اس لیے کہ غیب داں شخص پر دل کی چوری کھل گئی۔ ورنہ آپ ہی بتلایئے کہ دل کے وسوسے کے سوا شیخ کی بارگاہ کا اور کوئی دوسرا جرم ہی کیا تھا؟

پانچواں واقعہ

لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ مولوی (ولایت حسین) صاحب کو وسوسہ ہوا کہ حضرت مجدد صاحب اپنے بعض مکتوبات میں ذکر جہر کو بدعت فرماتے ہیں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان ہی کو مخاطب بنا کر حضرت نے ارشاد فرمایا ذکر جہر کی اجازت بعض وقت حضرات نقشبندیہ بھی دیدیتے ہیں۔"

(تذکرہ، ج ۲، صفحہ ۲۲۹)

دیکھ رہے ہیں آپ؟ لگاتار دل کے وسوسوں پر مطلع ہونے کی یہ شان! ادھر خیال گزرا اُدھر باخبر لیکن ان حضرات کی بنیادی کتاب "تقویۃ الایمان" کے حوالہ سے ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ شان صرف خدا کی ہے۔ جو غیر خدا کے لیے اس طرح کی باتیں ثابت کرتا ہے وہ مشرک ہوجاتا ہے۔

اب اس الزام کا جواب ہمارے سر نہیں ہے کہ ایک ہی عقیدہ جو غیر خدا کے حق میں شرک تھا وہ گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام کیونکر بن گیا۔؟

چھٹا واقعہ

یہاں تک تو دلوں کے خطرات پر مطلع ہونے کی بات تھی اب عام طور غیب دانی کی شان ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک مرتبہ دو شخص اجنبی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام ومصافحہ کے بعد بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا دو رکعت نماز پڑھو۔ حضرت کے اس ارشاد پر تھوڑی دیر دونوں گردن جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر چپکے ہی سے اٹھ کر چل دیئے۔

جب دروازے سے باہر ہوئے تو حضرت نے فرمایا۔ دونوں شیعہ تھے، میرا امتحان لینے آئے تھے۔ حاضرین میں سے بعض آدمی ان کی تحقیق کو ان کے پیچھے گئے اور معلوم کیا تو وہ واقعی رافضی تھے۔"

(تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۲۷)

ساتواں واقعہ

"ارواحِ ثلثہ" کے مصنف امیر شاہ خان اپنی کتاب میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے متعلق یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی

سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لاؤ شامی اٹھالاؤ! شامی لائی گئی۔ حضرت اس وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ثلث (دو تہائی) اوراق دائیں جانب کرکے اور ایک ثلث (ایک تہائی) بائیں جانب کرکے انداز سے ایک دم کتاب کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحے پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی صفحہ میں موجود تھا۔ سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔"

(ارواح ثلثہ ص ۲۹۲)

اب اس واقعہ پر جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک حاشیہ پڑھیے۔ لکھتے ہیں:۔

"وہی مقام نکل آنا گو اتفاقاً بھی ہوسکتا ہے۔ مگر قرائن سے یہ باب کشف سے معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقعہ پر دیکھو۔"

(حاشیہ ارواح ثلثہ ص ۲۹۲)

ذرا غور فرمیئے! یہ واقعہ کوئی چیستاں تو تھا نہیں جس کے حل کے لیے حاشیہ چڑھانے کی ضرورت تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب نے خیال کیا ہوگا کہ لوگ کہیں اسے حسنِ اتفاق ہی پر محمول نہ کرلیں اس لیے "باب کشف" سے کہہ کر لوگوں کی توجہ ان کی "غیب دانی" کی طرف مبذول کرادی۔

اس واقعہ میں گنگوہی صاحب کے اس جملے پر کہ "حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ:

"میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا" کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ خدا کے ساتھ انھیں ہم کلامی کا شرف کب اور کہاں حاصل ہوا کہ اس نے ان سے یہ وعدہ فرمایا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا جزم ویقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ گنگوہی صاحب کی زبان وقلم سے ساری عمر کوئی غلط بات نہیں نکلی؟ ایک نبی کے بارے میں تو البتہ ایسا سوچنا صحیح ہے لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ بڑے سے بڑا امتی بھی زبان وقلم کی لغزشوں سے معصوم نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پس ایسی حالت میں کیا بالفاظ دیگر وہ خدائے قدوس کی طرف یہ الزام نہیں منسوب کر رہے ہیں کہ اس نے معاذ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس اعلان سے آخر گنگوہی صاحب کا مدعا کیا ہے؟ کافی غور وفکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انھوں نے عام لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ خدا کے یہاں ان کا مقام "بشریت" کی سطح سے بھی اونچا ہے۔ کیونکہ نبی بھی اگرچہ بشر ہی ہوتے ہیں لیکن دیوبندی حضرات کے نزدیک ان سے بھی غلطی واقع ہوسکتی ہے جیسا کہ تھانوی صاحب اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"تحقیق کی غلطی ولایت بلکہ نبوت کے ساتھ بھی جمع ہوسکتی ہے۔"

(فتاویٰ امدادیہ ج ۲ ص ۶۴)

اب اس مقام پر میں آپ کو ایک سخت قسم کے امتحان میں مبتلا کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ یہ فیصلہ کرنا اب آپ ہی کی غیرت ایمانی کا فریضہ ہے کہ اپنے پیغمبر کے ساتھ وفاداری کا شیوہ کیا ہے؟ خدا کرے فیصلہ کرتے وقت آپ کا دل کسی غلط جذبۂ پاسداری کا شکار نہ ہو۔

آٹھواں واقعہ

یہی ارواحِ ثلاثہ کے مصنف امیر شاہ خاں گنگوہی صاحب کے متعلق اس واقعہ کے بھی راوی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے! پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا فرمایئے! پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے! تو فرمایا، تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا اور میں نے اُن سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا، فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمایئے!

فرمایا کہ اتنے سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات بغیر آپ کے پوچھے نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے! مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔" (ارواحِ ثلاثہ صد۲۹۱)

یعنی معاذ اللہ! اب خدا کا چہرہ دل میں تھا ــــ!

واضح رہے کہ یہاں بات مجاز و استعارہ کی زبان میں نہیں ہے جو کچھ کہا گیا ہے وہ قطعاً اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ اس لیے کہنے دیا جائے کہ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے مراد حضور اکرم کا نور نہیں ہے بلکہ حضور سے خود حضور ہی مراد ہیں کیونکہ نور ایک جوہر لطیف کا نام ہے اس کے ساتھ ہمکلام ہونے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں۔

اب اہل نظر کے لیے یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ بات اپنی فضیلت و بزرگی کی آگئی ہے تو سارے محالات ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہو گئے ہیں۔ اب یہاں کسی طرف سے یہ سوال نہیں اُٹھا کہ معاذ اللہ جتنے دنوں تک حضور آپ کے دل میں مقیم رہے اتنے دنوں تک وہ اپنی تربتِ پاک میں موجود تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تھے تو کیا اتنے دنوں تک تربتِ پاک خالی پڑی رہی اور اگر موجود تھے تو پھر تھانوی صاحب کے اس سوال کا کیا جواب ہوگا جو انھوں نے محافل میلاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سوال پر اُٹھایا ہے کہ:۔

"اگر ایک وقت میں کئی جگہ محفل منعقد ہو تو آیا سب جگہ آپ تشریف لے جاویں گے یا کہیں؟ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں۔ اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے، ہزار جگہ کس طور جا سکتے ہیں۔؟"

(فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص۵۸)

زاویہ نگاہ کا یہ فرق کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اپنی روحانی برتری اور نبی قوت ادراک کے سوال پر ذہن کے بھرپور اعتراف کے ساتھ سب خاموش رہے اور جب بات محبوب کردگار کی آگئی تو عقل فتنہ پرور نے ایسی ایسی بال کی کھال نکالی کہ آدمی کا یقین و عقیدہ گھائل ہو کے رہ گیا۔ اگر انصاف کا جذبہ شریک نظر رہا تو دیوبندی حضرات کا یہ مخصوص انداز فکر آپ اس کتاب میں جگہ جگہ محسوس کریں گے۔ اور گنگوہی صاحب کے

نے نہایت جرأت کے ساتھ حقائق کا سامنا کیا اور محسوس کیا کہ بریلوی گروہ کے وہ
انہیں کیا کہیں گے۔ انہوں نے اپنے طویل تبصرہ میں برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ زلزلہ میں
پیش کردہ الزامات کا جواب بڑے سے بڑا منطقی اور علامہ دہر بھی نہیں دے سکتا۔ ملا تجلی
کے دست و بازو شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے بلند مدرسین کو مخاطب کرتے
ہوئے لکھا:

> "ہم تو جب جانیں کہ آپ حضرات زلزلہ میں پیش کردہ
> مناظر و مشاہدات اور توجیہات کا جواب دیں جو زلزلہ کی کتاب میں پیش
> کی گئی ہیں۔ مولانا ارشد نے دیگر بریلوی حضرات کی طرح اگر جھوٹا
> بیچ چوراہا ننگا ہو جائیں گے۔" (تجلی ص ۹۵)

مولانا عامر عثمانی نے اپنے تبصرہ میں لکھا تھا کہ مولانا ارشد صاحب کا جواب مولانا طیب
صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا منظور نعمانی کو دینا چاہیے چنانچہ میں نے ان دونوں
حضرات کو لکھا کہ اس کتاب میں آپ کے اکابر کے خلاف جو الزامات ہیں انہیں دفع کرکے
اپنے مذہب کی وکالت کا حق ادا کیجئے لیکن الزامات کا جواب تو کیا دیتے میرے جوابی خط
کا جواب بھی ان حضرات نے آج تک نہیں دیا۔

ابھی چند ماہ ہوئے کٹیہار میں ایک مذہبی مناظرہ کے موقع پر بہت سے اہلسنت اور
علمائے دیوبند کے چند حضرات آئے ہوئے تھے۔ اس وقت زلزلہ پر مولانا عامر عثمانی کے
تبصرہ کا جب ذکر آیا تو دیوبندی علماء نے اپنے عوام کو یہ تاثر دیا کہ دس ہزار روپے لے کر عامر

اس واقعہ کا ایک رخ تو اتنا اشتعال انگیز ہے کہ سوچتا ہوں تو آنکھوں سے خون ٹپکنے لگتا ہے یہ کہ کر کوئی کام انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں کیا، دوسرے لفظوں میں اپنے جسم وجوارح اور زبان وقلم کی ساری تقصیرات کو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان ایام میں ان سے کوئی خلاف شرع کام صادر نہیں ہوا اور جب ہوا تو انہی کے بیان کے مطابق ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ وہ خلاف شرع کام بھی انھوں نے حضور کے ایما سے کیا۔

چند اور عبرت انگیز کہانیاں

آپ کی نگاہوں پر بار نہ ہو تو تذکرۃ الرشید میں گنگوہی صاحب سے متعلق مشرکانہ اختیارات اور پیغمبرانہ تعلیوں کی جو کہانیاں نقل کی گئی ہیں ان میں سے دوچار کہانیاں نمونے کے طور ملاحظہ فرمائیں:

پہلی کہانی

"تذکرۃ الرشید" کے مصنف بیان کرتے ہیں کہ بارہا آپ کو اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ کہتے سنا گیا:۔

> "سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔ اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص۱۷)

پاسداری کے جذبے سے الگ ہو کر صرف ایک لمحے کے لیے سوچیے! وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ رشید احمد صاحب کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ حق ہے، بلکہ ان کے جملے کا مفہوم

یہ ہے کہ حق صرف رشید احمد ہی کی زبان سے نکلتا ہے۔ دونوں کا فرق یوں محسوس کیجئے کہ پہلے جملے کو صرف خلاف واقعہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسرا جملہ تو خلاف و نفو ہونے کے ساتھ ساتھ اُس دور کے تمام پیشوایانِ اسلام کی حق گوئی کو ایک کھلا ہوا چیلنج بھی ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں مولوی رشید احمد صاحب کے علاوہ کسی کی زبان بھی کلمۂ حق سے آشنا نہیں ہوئی۔

افسوس کہ گنگوہی صاحب کے اس دعوے کو مشتہر کرتے ہوئے دیوبندی علما نے قطعًا یہ محسوس نہیں کیا کہ اس میں دوسرے حق پرست علمار کی کتنی صریح توہین موجود ہے۔

اور آخیر کا یہ جملہ کہ "اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر" پہلے والے سے بھی زیادہ خطرناک اور گمراہ کن ہے۔ گویا حصولِ نجات کے لیے ب رسول عربی فداہ ابی و اُمی کا اتباع ناکافی ہے۔

اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ کسی کے اتباع پر نجات موقوف ہو، یہ شان صرف رسول کی ہوسکتی ہے، نائب رسول ہونے کی حیثیت سے علما کرام کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اتباع رسول کی دعوت دیں۔ اپنے اتباع کی دعوت دینا قطعًا ان کا منصب نہیں ہے۔ لیکن صاف عیاں ہے کہ گنگوہی صاحب اس منصب پر قناعت نہیں کرنا چاہتے۔

پھر ایک طرف تو گنگوہی صاحب اپنے اتباع کی دعوت دے کر لوگوں سے اپنا حکم اور اپنی رہ و رسم منوانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا فرمان یہ ہے:۔

> "کسی کی رہ و رسم کو ماننا اور اس کے حکم کو اپنی سند سمجھنا یہ بھی

ان ہی باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائے ہیں، پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے۔" (تقویۃ الایمان)

اب اس الزام کا جواب ہمارے سر نہیں کہ جو معاملہ کسی مخلوق کے ساتھ شرک تھا وہی گنگوہی صاحب کے ساتھ اچانک کیونکر مدارِ نجات بن گیا — ؟ کہیں نجات کا دروازہ بند اور کہیں اس کے بغیر نجات ہی نہ ہو آخر یہ معمہ کیا ہے؟

دوسری کہانی

تذکرۃ الرشید کے مصنف لکھتے ہیں کہ:۔

"مولوی عبدالسبحان صاحب انسپکٹر پولیس ضلع گوالیار فرماتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک بار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپے کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گنج مراد آباد پہنچے۔ حضرت مولانا نے وطن دریافت کیا، انھوں نے عرض کیا دیوبند، مولانا نے تعجب کے ساتھ فرمایا، گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب ترکیوں نہ گئے اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟

"انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت لائی ہے مولانا
نے ارشاد فرمایا تم گنگوہی جاؤ، تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید
احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے اور تمام روئے زمین کے اولیا
بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔"

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۵)

بات اپنے شیخ کی فضیلت و برتری کی آگئی ہے تو اب یہاں کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو پردۂ غیب کا یہ راز کیونکر معلوم ہوگیا کہ مشکل کشائی صرف مولوی رشید احمد ہی کی دعا پر موقوف ہے اور کس علم کے ذریعے انھوں نے تمام روئے زمین کے اولیاء کی دعاؤں کا فرداً فرداً وہ انجام معلوم کر لیا جس کا تعلق صرف خدا کی ذات کے ساتھ ہے اور وہ بھی اتنا جھٹ پٹ کہ ادھر منہ سے بات نکلی اور ادھر عرش سے لے کر فرش تک غیب و شہود کے سارے احوال منکشف ہوگئے۔

معاذ اللہ اپنے شیخ کی برتری ثابت کرنے کے لیے ایک طرف اپنے عقیدے کا خون کیا گیا اور دوسری طرف روئے زمین کے جملہ اولیاء اللہ کی عظمتوں کو بھی مجروح کر دیا گیا۔

تیسری کہانی

تذکرۃ الرشید کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

"جس زمانے میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور
مچایا و تکفیر کا فتویٰ شائع کیا۔ سائیں توکل شاہ انبالوی کی مجلس میں

کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ (گنگوہی صاحب) کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں، یہ سنکر سائیں توکل شاہ نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منھ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے۔

لوگو! تم کیا کہتے ہو؟ میں مولوی رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔" (تذکرہ، ج ۲ صـ ۳۲۲)

کیا سمجھے آپ؟ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے قلم کی لمبائی عرش کی سرحد کو پار کر گئی تھی بلکہ اس جملے کی تشبیہ سے یہ دعویٰ کرنا مقصود ہے کہ تقدیر الٰہی کے نوشتے آپ ہی کے رشحات قلم سے مرتب ہو رہے تھے اور قضا و قدر کا محکمہ آپ ہی کے قلم کے تابع کر دیا گیا تھا۔

اور سائیں کی نگاہ کی دور رسی کا کیا کہنا کہ فرش پر بیٹھے بیٹھے اس نے عرش کے اس پار کا نظارہ کر لیا۔

اور اس قصے میں سب سے زیادہ دلچسپ تماشا تو یہ ہے کہ "دانشوران دیوبند" نے ایک دیوانے کی بات کو نظر انداز کرنے کے بجائے اسے قبول بھی کر لیا اور قبول ہی نہیں کیا بلکہ اسے اپنا عقیدہ بنا لیا جیسا کہ اسی کتاب کا مصنف اس واقعہ کا بھی راوی ہے کہ:۔

"مولوی ولایت حسین صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ہمراہ سفر حج

میں ایک حکیم صاحب ساکن انبالہ تھے جو اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ کے مُرید تھے۔ اسی تعلق سے ان کو حضرت امام ربانی کے ساتھ تعارف بلکہ غایت عقیدت تھی۔ وہ فرمانے لگے میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ مولانا کی زبان سے جو بات نکلتی ہے تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔"

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۹)

یہ خبر اگر صحیح ہے تو اس کی صحت کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو گنگوہی صاحب جملہ مقدرات الٰہی پر مطلع تھے کہ زبان اس کے خلاف کھلتی ہی نہیں تھی یا پھر ان کے منہ میں زبان نہیں تھی بلکہ "کُن" کی کنجی تھی کہ جو بات منہ سے نکلی وہ کائنات کا مقدر بن گئی۔

ان دونوں باتوں میں سے جو بات بھی اختیار کی جائے، دیوبندی مذہب پر دین و دیانت کا ایک خون ضروری ہے۔

چوتھی کہانی

مخلص الرحمٰن نامی گنگوہی صاحب کے ایک مُرید تھے، ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف کا یہ بیان پڑھیے لکھتے ہیں کہ:

"ایک روز خانقاہ میں لیٹے ہوئے اپنے شغل میں مشغول تھے کہ کچھ سُکر پیدا ہوا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کو دیکھا کہ سامنے تشریف لیے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ان کو مخاطب بنا کر اس طرح فرمایا کہ دیکھو اچھا ہو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے چاہنا۔" (تذکرۃ الرشید ص ۳۰۵)

شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کا گھرانا ہندوستان میں عقیدۂ توحید کا سب سے بڑا محافظ سمجھا جاتا ہے لیکن سخت تعجب ہے کہ انھوں نے خدا کو چھوڑ کر مولوی رشید احمد سے سب کچھ جاننے کی ہدایت فرمائی! شاہ صاحب کی طرف اتنا بڑا شرک منسوب کرتے ہوئے واقعہ کے راویوں کو کچھ تو شرم محسوس کرنی چاہیئے تھی۔ ایک طرف تو "اپنے مولانا" کو بااختیار اور صاحب تصرف ثابت کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ صاحب کی زبانی یہ کہلوایا جاتا ہے اور دوسری طرف اپنی توحید پرستی کا ڈھونگ رچانے کے لیے عقیدہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے:۔

"ہر کسی کو چاہیے اپنی حاجت کی چیزیں اپنے رب سے مانگے۔ یہاں تک کہ نون (نمک) بھی اسی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جائے وہ بھی اسی سے مانگے۔" (تقویۃ الایمان صـ۳۴)

درس و تدریس مرید کو مشاہدۂ غیب بھی کتنے زور کا ہے کہ سر کی آنکھوں سے وہ ایک وفات یافتہ بزرگ کو دیکھ لیتا ہے اور ان سے ہم کلامی کا شرف بھی حاصل کرتا ہے۔ نہ اس کی نگاہ پر عالم برزخ کا کوئی حجاب حائل ہوتا ہے اور نہ شاہ صاحب کو اپنی لحد سے نکل کر اس کے روبرو جانے سے کوئی چیز مانع ہوتی ہے۔

دیکھ رہے ہیں آپ! توحید کے ان اجارہ داروں نے کتنی طرح کی شریعتیں گڑھ رکھی ہیں۔ انبیاء و اولیا کے لیے کچھ! اور اپنے گھر کے بزرگوں کے لیے کچھ!! ہے کوئی انصاف کا خوگر! جو اس جورِ بے اماں کا انصاف کرے۔ اور حق پرستوں کو ان کا وہ حق دلائے جو مذہب اسلام نے انہیں دیا ہے۔

پانچویں کہانی

آگرہ کے کوئی منشی امیر احمد تھے تذکرۃ الرشید کے مصنف نے ان کی زبانی ان کا ایک عجیب وغریب خواب نقل کیا ہے۔ موصوف بیان کرتے ہیں کہ:۔

"گنگوہ کا ایک شخص شیعہ مذہب مرگیا اور میں نے اسے خواب میں دیکھا فوراً اس کے ہاتھ کے دونوں انگوٹھے میں نے پکڑ لیے وہ گھبرا گیا اور پریشان ہو کر بولا جلدی پوچھو جو پوچھنا ہو مجھے تکلیف ہے۔ میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ مرنے کے بعد تم پر کیا گزری اور اب کس حال میں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ عذاب الیم میں گرفتار ہوں "حالت بیماری میں مولانا رشید احمد صاحب دیکھنے تشریف لائے تھے جسم کے جتنے حصے پر مولوی صاحب کا ہاتھ لگا بس اتنا جسم تو عذاب سے بچا ہے باقی جسم پر بڑا عذاب ہے۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔"

(تذکرہ، ج ۲ ص ۳۲۴)

بات آگئی ہے تو اسی تذکرۃ الرشید کے مصنف نے اسی قسم کا ایک خواب مولوی اسماعیل نامی "ایک دیوبندی بزرگ" کے کسی خادم کے متعلق نقل کیا گیا۔ لگے ہاتھوں ذرا سے بھی پڑھ لیجئے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک خادم تھا مولوی اسماعیل صاحب کا، جب اس کا

انتقال ہو گیا تو کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ سارے بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مگر ہتھیلیاں سالم اور محفوظ ہیں۔ اس نے پوچھا کیوں بھئی کیا حال ہے؟ اس نے کہا کیا کہوں اعمال کی سزا مل رہی ہے سارے بدن کو تکلیف ہے مگر یہ ہاتھ حضرت مولانا کے پاؤں کو لگے تھے۔ اس لیے حکم ہوا کہ ان میں آگ لگاتے ہمیں شرم آتی ہے۔"

(تذکرہ، ج ۲، ص ۲۰۰)

دیکھ رہے ہیں آپ! دربارِ الٰہی میں ان حضرات کی وجاہت و مقبولیت کا عالم، عذابِ آخرت سے چھٹکارا دلانے کے لیے زبان ہلانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی صرف ہاتھ لگا دینا کافی ہو گیا! اور شیوہ جیسا باغی حق بھی ہاتھوں کی برکت سے محروم نہیں رہا۔

ایک یہ حضرات ہیں کہ عالم اسفل ہی نہیں عالم بالا میں بھی ان کی شوکت و سطوت کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ لیکن رسولِ خدا محبوبِ کبریا کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

"اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ لوگوں کو سنا دیویں کہ میں تمہارے نفع و نقصان کا کچھ مالک نہیں اور تم جو مجھ پر ایمان لائے اور میری امت میں داخل ہوئے سو اس پر مغرور ہو کر حد سے مت بڑھنا کہ ہمارا پایہ مضبوط ہے اور ہمارا وکیل زبردست ہے اور ہمارا شفیع بڑا محبوب! سو ہم جو چاہیں سو کریں۔ وہ ہم کو للہ کے

عذاب سے بچالے گا۔ کیونکہ یہ بات محض غلط ہے۔ اس واسطے کہ میں آپ ہی ڈرتا ہوں اور اللہ سے ورے کہیں بچاؤ نہیں جانتا۔ سو دوسرے کو کیا بچا سکوں؟" (تقویۃ الایمان صہ ۴۶)

اس مقام پر میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ آپ ہی اپنے ایمان کو گواہ بنا کر فیصلہ کیجیے کہ قلم کے اس تیور سے رسول عربی کے وفاداروں کی دل آزاری ہوتی ہے یا نہیں؟

ضمنی طور پر درمیان میں یہ بات نکل آئی تھی، اب پھر اپنے اصل موضوع کی طرف واپس لوٹتا ہوں۔

(۲)

گنگوہی صاحب کی غیبی قوت ادراک کا ایک حیرت انگیز واقعہ

حاجی دوست محمد خاں کوئی کوتوال تھے۔ تذکرۃ الرشید کے مصنف ان کے لڑکے کے متعلق یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:۔

"حاجی دوست محمد خاں کے صاحبزادے عبدالوہاب خاں ایک شخص سے معتقد ہو گئے اور بیعت کا قصد کیا۔ وہ جس شخص سے بیعت ہونا چاہتے تھے محض صورت کے درویش تھے اور واقع میں پکے دنیا دار اس لیے دوست محمد خاں کو صاحبزادے کی یہ کجی پسند نہ آئی اور کئی بار منع کیا کہ اس شخص سے مُرید نہ ہو۔" (تذکرہ ج ۲ صہ ۲۵)

عثمانی نے یہ تبصرہ لکھا ہے۔

ہم نے عرض کیا کہ اولاً تو یہ الزام نہایت ناپاک، سراسر بہتان اور دروغ محض ہے ثانیاً یہ کہ مولانا عامر عثمانی کے متعلق بالفرض اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ انھوں نے رشوت لے کر اپنے مذہب کا خون کیا ہے تو یہ دیوبندی گروہ کے منہ پر دوسرا طمانچہ ہوگا کہ وہ بہرحال ہمارے نہیں آپ ہی کے گروہ کے عالم ہیں۔ تاہم شاید کہ مولانا عامر عثمانی پر یہ ناپاک الزام عائد کرنے کے بعد بھی کتاب کے جواب کا مطالبہ اپنی جگہ پر ہے۔

آج بھی منتظر ہوں کہ دیوبندی مذہب کا کوئی بھی لائق فرزند اٹھ کر یا تو زلزلہ میں پیش کیے ہوئے حوالوں کو غلط ثابت کر دے یا ان حوالوں سے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں ان کی غلطی نمایاں کرے۔ یا پھر تیسری صورت وہی ہے جو مولانا عامر عثمانی نے اپنے تبصرہ میں تجویز فرمائی ہے۔ کہ دیوبندی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ لگا دی جائے۔

یہ سراسر خدا کا فضل ہی کہا جا سکتا ہے کہ میری توقعات سے کہیں زیادہ اس کتاب کو قبول عام اور شرف امتیاز حاصل ہوا۔ ملک کے طول و عرض میں شاید ہی کوئی خطہ ہو جہاں سے زلزلہ کی مانگ نہ آئی ہو یہاں تک کہ حجاز مقدس، بحرین، دوبئی، افریقہ اور انگلینڈ تک زلزلہ کا اثر محسوس کیا گیا اور وہاں سے کتاب کی فرمائش آئی۔

زلزلہ کی حمایت میں تجلی کے علاوہ متعدد ماہناموں نے مضامین شائع کیے جن میں سے قابل ذکر ماہنامہ "المیزان" کچھوچھا شریف اور ماہنامہ "اعلیٰ حضرت" بریلی شریف ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے متاثر ہو کر بے شمار حضرات نے اپنے دعا ناموں میں بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور اسے موضوع بحث اور بیان و استدلال کی معقولیت کے اعتبار

ہزار روکنے کے باوجود عبدالوہاب خاں اپنے ارادہ سے باز نہ آیا آخر ایک دن مرید ہونے کی نیت سے چل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد کا واقعہ سننے کے قابل ہے لکھا ہے کہ :۔

"آخر حاجی صاحب نے جب بیٹے کا اصرار دیکھا تو باقتضائے محبت دست بدعا ہوئے اور مراقب ہو کر حضرت (گنگوہی) کی جانب متوجہ ہو کر خلوت میں جا بیٹھے۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۵)

ادھر باپ اپنے پیر کو حاضر و ناظر تصور کر کے مصروف مناجات تھا، اور ادھر بیٹے کا قصہ سنیئے لکھتے ہیں کہ :۔

"عبدالوہاب اپنے پیر کے پاس آئے اور مؤدب دو زانو بیٹھ گئے بے اختیار پیر کی زبان سے نکلا اوّل باپ سے اجازت لے آؤ اس کے بغیر بیعت مفید نہیں۔ غرض ہاتھ بیعت کے لیے تھام کر چھوڑ دیئے اور انکار فرمادیا۔ (ص ۲۱۶)

اب اس کے بعد سوانح نگار کا یہ تہلکہ خیز بیان چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس وقت میں امام ربانی کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت غایت شفقت کے ساتھ عبدالوہاب کا ہاتھ پکڑ کر میرے ہاتھ میں پکڑاتے اور یوں فرماتے ہیں "لو اب یہ اس کا مرید نہ ہوگا۔" یہ وہی وقت تھا کہ انھوں نے عبدالوہاب کا ہاتھ چھوڑا اور یہ کہہ کر بیعت سے

> انکار کر دیا کہ باپ سے اجازت لے آؤ۔" (تذکرہ صہ ۲۱۶)

فاعتبروا یا اولی الابصار! دیکھ رہے ہیں آپ!! اپنے شیخ کے حق میں جذبۂ عقیدت کی فراوانی کا یہ تماشا!!!

اِدھر حاجی صاحب نے تصور کیا اور اُدھر گنگوہی صاحب کو ساری خبر ہوگئی اور صرف خبر ہی نہیں ہوئی بلکہ وہیں سے بیٹھے بیٹھے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے ہاتھ میں دے بھی دیا۔ اور دوسری طرف پیر کے دل پر بھی تصرف کیا کہ انھوں نے بغیر کسی سبب ظاہری کے دفعتاً مرید کرنے سے انکار کر دیا۔ اور حاجی صاحب کی غیبی قوت ادراک کا کیا کہنا کہ اپنے خلوت کدے ہی سے انھوں نے دیکھ لیا کہ گنگوہی صاحب بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے ہاتھ میں دے رہے ہیں اور ان کی آواز بھی سُن لی کہ "تو اب یہ اس کا مرید نہ ہوگا۔" نہ آنکھوں پر درمیان کے حجابات حائل ہوئے اور نہ بعد مسافت کانوں تک آواز پہنچنے سے مانع ہوئی۔

یہ تو رہا دیو بندی حضرات کا اپنے گھر کے بزرگوں کے بارے میں عقیدہ! اب انبیاء کے حق میں ان کا کیا عقیدہ ہے، لگے ہاتھوں ذرا اسے بھی پڑھ لیجئے:۔

> "جو کوئی کسی) کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے، یا اس کی صورت یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے ...... سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے خواہ پیر و شہید سے خواہ امام و امام

زادہ سے خواہ بھوت و پری سے یہ خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی
ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے ۔غرض اس عقیدے سے ہر طرح
شرک ثابت ہوتا ہے۔" (تقویۃ الایمان صہ)

اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز تو خود مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ
فتوی ہے جو فتاوی رشیدیہ میں شائع کیا گیا ہے کہ:۔

"کسی نے یہ سوال دریافت کیا کہ تصور کرنا اولیا اللہ کا مراقبہ میں کیسا
ہے؟ اور یہ جاننا کہ ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود
ہوجاتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوجاتے ہیں، ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے؟
الجواب: ایسا تصور درست نہیں اندیشہ شرک کا ہے۔"
(فتاوی رشیدیہ، ج ۱، صہ)

دو واقعہ تھا یہ عقیدہ ہے اور دونوں کے درمیان جو کھلا ہوا تضاد ہے وہ محتاج بیان نہیں۔
ب اس کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ صحیح و غلط اور درست و نادرست کو ناپنے کے
لیے دیوبندی حضرت کے یہاں الگ الگ پیمانے کیوں ہیں؟
ہے کوئی حق کا حامی؟ جو حق کے ساتھ انصاف کرے۔

(۳۱)

اس بات کا علم کہ کون کب مرے گا

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں
کئی ایسے واقعات نقل کیے ہیں جن سے پتہ

چلتا ہے کہ گنگوہی صاحب کو اپنی اور دوسروں کی موت کا بھی علم تھا کہ کون کب مرے گا ذیل میں چند واقعات ملاحظہ فرمایئے :۔

پہلا واقعہ

لکھا ہے کہ ایک بار نواب چھتاری سخت بیمار ہوئے۔ یہاں تک کہ سب لوگ ان کی زیست سے نا امید ہو گئے۔ ہر طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد ایک شخص کو گنگوہی صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا کہ وہ نواب صاحب کے لیے دعا کریں۔ قاصد نے وہاں پہنچ کر ان سے دعا کی درخواست کی۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود سوانح نگار کی زبانی سنیئے۔ لکھتے ہیں کہ:

> "آپ نے حاضرین جلسہ سے فرمایا۔ "بھائی دعا کرو۔" چونکہ حضرت نے خود دعا کا وعدہ نہیں فرمایا اس لیے فکر ہوئی اور عرض کیا گیا کہ حضرت آپ دعا فرما دیں، اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا۔ "امر مقدر کر دیا گیا ہے اور ان کی زندگی کے چند روز باقی ہیں۔ حضرت کے اس ارشاد پر اب کسی عرض و معروض کی گنجائش نہ رہی اور نواب صاحب کی حیات سے سب نا امید ہو گئے۔" (تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۲۰۹)

مگر وہ ہمہ گو گنگوہی صاحب کے کشف پر کتنا اعتماد تھا، اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

> "تاہم قاصد نے عرض کیا کہ حضرت یوں دعا فرمایئے کہ نواب صاحب

کو ہوش آجائے اور وصیت و انتظام ریاست کے متعلق جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سُن لیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ "خیر اس کا مضائقہ نہیں ۔" اس کے بعد دعا فرمائی ۔ اور یوں ارشاد فرمایا ۔ "انشاء اللہ افاقہ ہوجائے گا ۔"

(تذکرہ صـ ۲۰۹)

اس کے بعد سوانح نگار لکھتا ہے :۔

"چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نواب صاحب کو دفعتاً ہوش آگیا اور ایسا افاقہ ہو کہ عافیت وصحت کی خوش خبری دُور دُور تک پہنچ گئی ۔ کسی کو بھی خیال نہ رہا کہ کیا ہونے والا ہے ، اچانک حالت پھر بگڑی اور مخیّر و دریا دل ، نیک نفس سخی رئیس نے انتقال بہ عالم آخرت کیا ۔"

(تذکرہ صـ ۲۰۹)

دیکھ رہے ہیں آپ ! امر الٰہی میں تصرف و اختیار کا عالم !! جیسے مقدر کے سارے نوشتے پیش نظر ہیں یہاں تک معلوم ہے کہ کیا ہوسکتا ہے اور کیا نہیں ہوسکتا ۔ کس امر میں مضائقہ ہے کس میں نہیں ! گویا قضاء و قدر کا محکمہ بالکل اپنے گھر کا کاروبار ہوگیا ہو ۔

سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ایک طرف تو دیوبندی علماء کی نظر میں اپنے گھر کے بزرگوں کا مقام یہ ہے اور دوسری طرف محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان کے عقیدے کی زبان یہ ہے :۔

"سارا ۔ کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے ، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ۔" (تقویۃ الایمان صـ ۲۲)

اب آپ ہی انصاف کیجیے کہ ایک اُمتی کے لیے یہ ڈوب مرنے کی جا ہے یا نہیں ؟

دوسرا واقعہ

مولوی صادق الیقین نام کے کوئی صاحب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے دوستوں میں تھے، ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی یہ واقعہ نقل کرتے ہیں :

"حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت علیل ہوئے۔ واقفین احباب بھی یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے اور حضرت سے عرض کیا دعا فرما دیں۔ حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور یوں فرمایا، میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مریں گے تو میرے بعد۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس مرض سے صحت حاصل ہو گئی اور حضرت کے وصال کے بعد اسی سال بہ ماہ شوال حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے، مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے مرض ہی میں عرفات کا سفر کیا یہاں تک کہ شروع محرم میں واصل بحق ہو کر جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔"

(تذکرۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

ملاحظہ فرمایئے! صرف اتنا ہی نہیں معلوم تھا کہ وہ ابھی نہیں مریں گے بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ کب مریں گے۔ "وہ میرے بعد مریں گے۔" اس ایک جملے نے دونوں کا حال ظاہر کر دیا اپنا بھی اور ان کا بھی اسے کہتے ہیں غیب دانی! نہ جبریل کا انتظار نہ خدا کے بتانے کی احتیاج۔!

تیسرا واقعہ

مولوی نظر محمد خاں نامی کوئی شخص تھے جو گنگوہی صاحب کے دربار کے حاضر باش تھے۔ ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف کا یہ بیان پڑھیے۔ لکھتے ہیں:۔

"مولوی نظر محمد خاں نے ایک مرتبہ پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت فلاں شخص جو والد صاحب سے عداوت رکھتا تھا ان کے انتقال کے بعد اب مجھ سے ناحق عداوت رکھتا ہے۔ بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا۔ "وہ کب تک رہے گا۔" چند روز گزرے تھے کہ دفعتاً وہ شخص انتقال کر گیا۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۲۱۴)

یا تو یہ کہا جائے کہ گنگوہی صاحب کو اس کی زندگی کے بچے کھچے دن معلوم ہو گئے تھے اور انہوں نے سوالیہ لہجے میں اسے ظاہر کر دیا۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ گنگوہی صاحب کے منہ سے نکلتے ہی اس غریب کی موت واجب ہو گئی اور چار و ناچار اسے مرنا پڑا۔ دونوں شقوں میں سے جو شق بھی اختیار کی جائے دیوبندی مذہب پر شرک سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

چوتھا واقعہ

اب تک تو دوسروں کی موت کے علم سے متعلق واقعات بیان ہوئے اب خود مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا اپنا واقعہ سنیے۔ ان کا سوانح نگار ان کی موت

کی اصل تاریخ یوں نقل کرتا ہے :۔

”بہ اختلاف روایت ۸ ربیا ۹ رجمادی الثانیہ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء کو بروز جمعہ بعد اذان ساڑھے بارہ بجے آپ نے دنیا کو الوداع کہا۔“
(تذکرہ صا ۳۳)

اس کے بعد یہ بیان پڑھیے :۔

”حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کو چھ روز پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا بہ یوم شنبہ دریافت فرمایا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج تو شنبہ ہے۔ اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار جمعہ کو دریافت کیا۔ حتیٰ کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا صبح کے وقت دریافت کیا کہ کیا دن ہے؟ اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن ہے تو فرمایا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ (تذکرہ، ج ۲ صا ۳۳)

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ چھ دن قبل ہی آپ کو اپنی موت کا علم ہو گیا تھا اور یہ علم آنا یقینی طور پر تھا کہ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ نے کلمۂ ترجیع پڑھ لیا۔

ملاحظہ فرمایئے! ایک طرف تو گھر کے بزرگوں کے لیے انتہائی فراخدلی کے ساتھ یہ جذبۂ اعتراف ہے اور دوسری طرف اسی موت کے علم سے متعلق انبیاء و اولیا کے حق میں عقیدے کی زبان یہ ہے :۔

"اسی طرح جب کوئی اپنا حال نہیں جانتا کہ کل کو کیا کرے گا تو اور کسی کا کیوں کر جان سکے۔ اور جب اپنے مرنے کی جگہ نہیں جانتا تو اور کسی کا کیونکر جان سکے۔ اور جب اپنے مرنے کی جگہ نہیں جانتا تو اور کسی کے مرنے کی جگہ یا وقت کیوں کر جان سکے۔"

تذکرہ صہ (تقویۃ الایمان صہ ۲۳)

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعات سے کیا یہ حقیقت بالکل بے نقاب نہیں ہو جاتی کہ شرک و انکار کی یہ ساری تعبیرات جو دیوبندی لٹریچر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف انبیا و اولیا کے حق میں ہیں گھر کے بزرگوں پر قطعاً ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(۴)

غیبی قوت ادراک کا ایک عجیب و غریب قصہ

اب تذکرۃ الرشید کے مصنف کی زبانی عام امور غیبیہ کے مشاہدہ خبر سے متعلق گنگوہی صاحب کا ایک حیرت انگیز قصہ سنیے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے عقیدت مندوں میں میر واجد علی قنوجی کوئی شخص گزرے۔ ان ہی سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"میر واجد علی قنوجی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا۔ خانقاہ

میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر کنویں میں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا تو پانی کڑوا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا جس میں پانی بھرا تھا حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اس کو رکھ دو۔ یہ فرما کر ظہر کی نماز میں مشغول ہو گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کہ کلمہ طیب جس قدر جس سے پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ اس کے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد میں جتنے نمازی تھے سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمدللہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔"

(تذکرہ، ج ۲ ص ۲۱۲)

یہ واقعہ بھی عالم برزخ کے حالات غیب سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ ایسی غیب دانی کا یقین دلانے کے لیے اتنا ہی بتا دینا کیا کم تھا۔ لیکن آپ نے تو یہاں تک بتا دیا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پہ عذاب ہو رہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ عذاب رفع بھی ہو گیا۔ اسے کہتے ہیں مطلق العنان غیب دانی کہ جدھر نگاہ اٹھی مستور حقیقتوں کے چہرے خود بخود بے نقاب ہوتے چلے گئے۔ ایسی غیب دانی کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے

سے وقت کی گراں بہا تصنیف قرار دیا۔

یہ بھی قبول عام ہی بات کہی جا سکتی ہے کہ یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ کی لائبریری آف کانگریس کے ایک مراسلہ کے مطابق واشنگٹن میں انیس لائبریریوں کے تعاون سے جو دنیا کی سب سے بڑی لائبریری قائم کی جا رہی ہے اس کے منتظمین نے ہندوستانی زبان کی کتابوں میں سے نمائش کے لیے "زلزلہ" کو منتخب کیا ہے۔

اس مراسلہ کا اردو ترجمہ اسی پیش لفظ میں کہیں ملاحظہ فرمایئے

"قارئین کے اصرار پر مولانا عامر عثمانی مدیر تجلّی دیوبند کا تبصرہ بھی اپنے جواب کے ساتھ کتاب سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ ان کے تبصرہ کے ساتھ میرا جواب بھی پڑھیے۔

لیکن سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی گنگوہی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کھول ناب آنکھوں سے یہ عبارت پڑھیئے :۔

"یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ حصہ ۲ صفحہ ۱۴۱)

(۵)

عقیدۂ توحید سے انحراف کا ایک عبرت انگیز واقعہ

ضلع جالندھر میں منشی رحمت علی نام کے کوئی صاحب کسی سرکاری اسکول میں ملازم تھے۔ تذکرۃ الرشید کے مصنف نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ابتداء میں یہ صاحب غالی درجے کے بدعتی تھے۔ انہیں حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے غایت درجہ عقیدت تھی۔ حافظ محمد صالح نام کے ایک دیوبندی مولوی کی خدمت میں رہ کر کچھ دنوں تک انہیں استفادہ کا موقع ملا جس سے بہت حد تک ان کے عقائد و خیالات میں تبدیلی واقع ہو گئی — اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنیئے لکھتے ہیں کہ :۔

"حافظ محمد صالح دام مجدہٗ کی شاگردی کے زمانے میں اکثر حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے محامد و مناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہوتے اور یوں خیال کیے ہوئے تھے کہ جب تک پیران پیر

رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لاکر خود ارشاد نہ فرمادیں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو اس وقت تک بہ طور خود کسی سے بیعت نہ کروں گا۔ اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے۔

آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانے میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادہ سے واقف ہو جاتے ہیں اور جو ذکر و شغل اس کے مناسب ہوتا ہے وہی بتلاتے ہیں۔" (تذکرہ، ج ۱ ص ۲۱۲)

دیکھ لیا آپ نے ! صرف اپنے شیخ کی غیب دانی کا سکہ چلانے کے لیے حضرت سید الاولیا سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ایک ایسے عقیدے کی تشہیر کی جارہی ہے جو دیوبندی مذہب میں قطعاً شرک ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ بیان کا لب و لہجہ تردیدی بھی نہیں ہے کہ الزام اپنے سر سے ٹال سکیں۔

اب ایک طرف یہ واقعہ نظر میں رکھیے اور دوسری طرف تقویۃ الایمان کی یہ عبارت پڑھیے توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

(جو کوئی کسی کے متعلق یہ تصور کرے) کہ جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور کل

اقسم کی باتیں سب شرک ہیں۔" (تقویۃ الایمان صد۸)

دل پہ ہاتھ رکھ کر سوچیے کہ گنگوہی صاحب کے اندر غیبی قوت ادراک ثابت کرنے کے لیے ان حضرات کو شرک کے کتنے مراحل سے گزرنا پڑا۔

پہلا شرک یہ ہے کہ حضور غوث الوریٰ اگر غیب داں نہیں تھے تو انہیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہمارا فلاں معتقد مرید ہونے کے لیے ہماری بشارت کا منتظر ہے اور دوسرا شرک یہ ہے کہ ان کے اندر یہ قوت تصرف بھی مان لی گئی کہ وفات کے بعد بھی جس کی مدد فرمانا چاہیں فرما سکتے ہیں۔ تیسرا شرک یہ ہے کہ سلام کے بعد اگر گنگوہی صاحب کے دل کی کیفیت ان کے پیش نظر نہیں تھی تو انہیں کس طرح معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے ایسا علم بخشا ہے کہ آپ سلام کرنے والے کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ سارا شرک اس لیے گوارہ کر لیا گیا کہ اپنے مولانا کی عظمت و بزرگی کے لیے اس واقعہ کو دستاویز بنانا مقصود تھا۔ ورنہ جہاں تک ماننے کا تعلق ہے یہ حضرات سرکار غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اس طرح کی غیبی قوت ادراک کے ہرگز قائل نہیں ہیں بلکہ اس کے اثبات کو شرک قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ یہی گنگوہی صاحب ندائے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ (یعنی اے شیخ عبدالقادر جیلانی خدا کے لیے کچھ عطا کیجئے) کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس کلام کا پڑھنا کسی وجہ سے جائز نہیں، اگر شیخ قدس سرہ کو عالم الغیب متصرف مستقل جان کر کہتا ہے تو خود شرک محض ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں گو یہ ندا شرک

نہ ہوا لیکن مشابہ شرک ہے ۔" (فتاویٰ رشیدیہ، ج ا صہ)

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ یہاں سرکار غوث اعظم کے روحانی تصرف اور غیبی قوت ادراک کے سوال پر کتنے احتمالات پیدا کردیئے گئے اور کیسی بال کی کھال نکالی گئی لیکن اپنی عظمت و بزرگی کی بات آگئی تو اب انہی سرکار غوث الوریٰ کے علم و اختیار پر کوئی شبہہ وارد نہیں کیا گیا۔

(۶)

گنگوہی صاحب کے ایک مرید پر مغیبات کا انکشاف

"تذکرۃ الرشید کے مصنف گنگوہی صاحب کے ایک مرید کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"ایک شخص بذریعہ خط آپ سے بیعت ہوئے اور تحریری تعلیم پر ذکر میں مشغول ہوئے ۔ چند روز میں ان پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ اولیائے سلاسل کی ارواح طیبات سے لقا حاصل ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کی پاک روحوں سے ملاقات ہوئی رفتہ رفتہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ سر سے لے کر قدم تک رگ رگ بال بال میں ارواح طیبات سے وابستگی ہے ۔ اسی حالت میں ایک مدہوشی اور سُکر کا عالم پیدا ہوتا جس میں مغیبات کا انکشاف اور مجلس سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دربانی کا اعزاز حاصل ہوتا۔" (تذکرہ، ج ۲ ص ۲۳۲)

اب فکر و دانش کے اس افلاس کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ "دربان" کا تو یہ حال ظاہر کیا جاتا ہے کہ عالم غیب کا کوئی پردہ اس کی نگاہ پر حائل نہیں ہے۔ بالکل پڑوس میں رہنے والے دوستوں کی طرح انبیاء اولیاء کی روحوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری ہے برزخ و غیب کے اسرار پیکر محسوس کی طرح پیش نظر ہیں لیکن "آقا" کے بارے میں عقیدے کی زبان کیا ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے :۔

> "کسی انبیاء اولیا یا امام و شہید کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بلکہ حضرت پیغمبر کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔"
>
> (تقویۃ الایمان ص ۲۶)

(۷)

عقیدہ سے تصادم کا ایک عجیب واقعہ

حاجی دوست محمد خاں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک نہایت مخلص خادم تھے۔ ایک بار ان کی اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہوگئی اب اس کے بعد کا واقعہ خود تذکرۃ الرشید کے مصنف کی زبانی سنیے، علالت کی سنگینی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

> "ہاتھ پاؤں کی نبضیں چھوٹ گئیں۔ غشی طاری ہوگئی اور تمام جسم ٹھنڈا ہوگیا۔ حاجی صاحب کو اہلیہ کے ساتھ محبت زیادہ تھی بیتاب

ہو گئے پاس آکر دیکھا تو حالت غیر تھی، صرف سینہ میں سانس چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا، زندگی سے مایوس ہو گئے رونے لگے اور سرہانے بیٹھ کر یٰسین شریف پڑھنی شروع کر دی، چند لمحے گزرے تھے کہ دفعتہً مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کر لی، سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے۔ حاجی دوست محمد خاں اس حسرت ناک نظارہ کو دیکھ نہ سکے، بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آگیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہو تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔ مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کر دیں نبضیں ٹھکانے آ لگیں اور افاقہ ہو گیا۔ دو تین دن میں قوت بھی آ گئی اور بالکل تندرست ہو گئیں۔" (تذکرہ ج ۲ صہ ۳۲۱)

اس واقعہ کے بعد سوانح نگار کا یہ زلزلہ خیز بیان پڑھیے اور دریائے حیرت میں غوطہ لگائیے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"حاجی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جس وقت مراقب ہوا حضرت کو اپنے سامنے پایا۔ اور پھر تو یہ حال ہوا کہ جس طرف نگاہ کرتا حضرت امام ربانی کو بہ ہیئت اصلیہ موجود دیکھتا تھا، تین شبانہ وروزیہی حالت رہی" (تذکرہ، ج ۲ صہ ۳۲۲)

نگاہ پر بار نہ ہو تو اسی کے ساتھ ذرا خود گنگوہی صاحب کا یہ فتویٰ بھی پڑھ لیجئے۔

"کسی نے یہ سوال دریافت کیا کہ تصور کرنا اولیاء اللہ کا مراقبہ میں کیسا ہے؟ اور یہ جاننا کہ جب ہم ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود ہو جاتے اور ہم کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے؟
الجواب:۔ ایسا تصور درست نہیں۔ اس میں اندیشہ شرک کا ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص۵)

اس مقام پر اس سے زیادہ اور ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے کہ اولیاء اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ ہے اور اپنے شیخ کے بارے میں وہ واقعہ!

ایک ہی بات ایک جگہ شرک ہے اور دوسری جگہ قابل تحسین واقعہ! زاویۂ نگاہ کے اس فرق کی معقول وجہ کیا ہو سکتی ہے اگر انصاف کا جذبہ شریک حال ہو تو خود ہی فیصلہ کیجئے پھر دیوبندی عقیدے کی بنیاد پر یہ سوال بھی اپنی جگہ پر ہے کہ آخر ایک ہی شخص کو ہر طرف بہ ہیئت اصلیہ دیکھنا کیونکر ممکن ہے؟ لیکن توحید کے اجارہ دار دل کو مبارک ہو کہ یہ ناممکن بھی انھوں نے اپنے مولانا کے لیے ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقعہ بنا لیا۔

اب لگے ہاتھوں اسی کے ساتھ ابھی گنگوہی صاحب کا واقعہ اور سن لیجئے۔
یہی تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی قصبہ نگینہ کے مولوی محمود حسن نامی کسی شخص سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"مولوی محمود حسن صاحب نگینوی فرماتے ہیں کہ میری خوش دامن صاحبہ

جوانپنے والد کے ہمراہ مکہ معظمہ میں بارہ سال تک مقیم رہیں۔ نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ تھیں سیکڑوں احادیث بھی ان کو حفظ تھیں۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹا! حضرت (گنگوہی) کے بہت شاگرد ہیں مگر کسی نے حضرت کو نہیں پہچانا۔ جن ایام میں میرا قیام مکہ معظمہ میں تھا روزانہ میں نے صبح کی نماز حضرت کو حرم شریف میں پڑھتے دیکھا اور لوگوں سے سُنا بھی کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہیں، گنگوہ سے تشریف لایا کرتے ہیں۔" (تذکرہ، ج ۲ ص۲۱۲)

"روزانہ" کا لفظ بتا رہا ہے کہ کسی دن بھی وہ صبح کی نماز حرم شریف میں ناغہ نہیں کرتے تھے اور ان کی مدتِ قیام کے مطابق یہ سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا۔

اختلاف مطالع کی بنیاد پر اگر ہندوستان اور مکہ کے وقت میں چند گھنٹوں کا فرق بھی مان لیا جائے تو جب بھی ۲۴ گھنٹوں میں سے کسی نہ کسی وقت معین پر حرم شریف میں پہنچنے کے لیے ان کا گھر سے غائب ہونا ازبس ضروری تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ ان ہی مولوی عاشق الٰہی نے اپنی اسی کتاب میں ان کے معمولاتِ شبانہ روز کا جو گوشوارہ پیش کیا ہے اس میں انہیں چوبیس گھنٹے گنگوہ ہی میں موجود دکھایا ہے۔

پھر بارہ سال تک روزانہ ایک وقت مقررہ پر اپنے گھر سے غائب ہوجانا اور پھر واپس لوٹ آنا ایسی چیز نہیں تھی جو لوگوں سے چھپی رہ جاتی۔ اور اس کی شہرت نہ ہوتی۔ اس لیے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ ایک ہی وقت مکے میں بھی موجود ہوتے تھے اور گنگوہ میں بھی حاضر رہتے تھے۔ اب حاجی دوست محمد خاں کا وہ مشاہدہ جو ابھی گذر اور

دیوبندی کی پارسا خاتون کی یہ روایت دونوں نظر میں رکھیے تو واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب ایک ہی وقت میں متعدد جگہ موجود ہیں۔ لیکن یہ سن کر آپ ششدر رہ جائیں گے کہ جس وصف کمال کو دیوبندی حضرات اپنے پیرِ مغاں کے لیے واقع مان رہے ہیں اسے رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن بھی نہیں تسلیم کرتے۔

چنانچہ محافل میلاد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے امکان پر بحث کرتے ہوئے دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ:۔

> "اگر ایک ہی وقت میں کئی جگہ منعقد ہو تو آیا سب جگہ تشریف لے جاویں گے یا کہیں؟ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے، ہزار جگہ کس طور جا سکتے ہیں۔"
>
> (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۵۸)

ذہن کی قوت فیصلہ اگر کسی غیر کی مٹھی میں رہن نہیں ہے تو اپنے رسول کے جذبۂ عقیدت کے ساتھ انصاف کیجئے اور اسی آئینے میں ان سارے اختلافات کی نوعیت بھی پڑھ لیجئے جو اہل سنت اور دیوبندی حضرات کے درمیان نصف صدی سے جاری ہے۔

(۸)

گزشتہ واقعات کا علم

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنی کتاب میں ایسے متعدد واقعات نقل کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو غیبی طور پر بغیر کسی اطلاع کے گزرے ہوئے واقعات کی بھی خبر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ نمونے کے طور پر ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

منشی نثار علی اور گوہر خاں نام کے دو شخص انگریزوں کی پلٹن میں ملازم تھے ان کے متعلق یہ واقعہ بیان کرتے ہیں :۔

"منشی نثار علی اور گوہر خاں ملازم پلٹن نمبر ۲۵ رخصت لیکر بہ ارادہ بیعت لکھنؤ سے گنگوہ روانہ ہونے کو تیار ہوئے۔ دروازہ پر سواری تک آکھڑی ہوئی۔ اتفاق سے کسی حاکم کی آمد کا تار آیا اور عین وقت پر ان کو افسر کے حکم سے رکنا پڑا۔ دس دن بعد فارغ ہو کر گنگوہ پہنچے تو حضرت نے صاف ارشاد فرمایا کہ تم دونوں صاحب فلاں روز روانہ ہونا چاہتے تھے مگر روک لئے گئے۔

اور جب کھانا دستر خوان پر آیا تو کہنے لگے کہ آپ کے ساتھ دو ٹٹو بھی تو ہیں آخر وہ بھی تو میرے مہمان ہیں۔ اوّل ان کو گھاس دانہ پہنچانا چاہیے۔ حالانکہ دونوں ٹٹوؤں پر سوار ہو کر آنے کی اطلاع آپ کو کسی آدمی نے نہیں دی تھی۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۴)

یہ اضافہ کہ " حالانکہ دونوں ٹٹوؤں پر سوار ہو کر آنے کی اطلاع آپ کو کسی نے نہیں دی تھی"۔ صرف اسی لیے کیا گیا ہے کہ خوب اچھی طرح ظاہر ہو جائے کہ یہ غیب کی خبر تھی اور کسی طرح یہ شبہہ نہیں کیا جائے کہ کسی نے ان کو اطلاع کر دی ہوگی۔

(۹)

آئندہ واقعات کا علم

اب آئندہ یعنی کل اور اس کے بعد کے علم سے متعلق واقعات

تبصرہ مولانا عامر عثمانی مدیر تجلی دیوبند

زلزلہ

مصنف: ارشد القادری، صفحات ۲۰۴، کاغذ سفید، سائز چھوٹا، کتابت و طباعت معمولی، قیمت چار روپے۔ مکتبہ جام نور فیض العلوم جمشید پور

اس کتاب کے فاضل مصنف بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ان کا انداز تحریر عام بریلوی ارباب قلم کی معروف خامیوں سے خاصی حد تک پاک ہے اور ان کے علم کلام میں معقولیت کا عنصر بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی ان میں پوری پختگی نہ آئی ہو۔

کتاب کا نام ہمیں مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اس افسانوی نوعیت کے نام نے کتاب کی علمی ثقاہت کو مجروح کیا ہے۔ کاش کوئی ایسا نام رکھا جاتا جس میں ثقاہت کے علاوہ نفس موضوع کی طرف اشارہ ہوتا۔

فاضل مصنف صاحب کتاب نے علماء دیوبند کی تحریروں سے یہ واضح کیا ہے کہ یہ حضرات عقائد کے معاملے میں سخت تضادات کے شکار ہیں۔ اور جن امور کو یہ بریلویوں

کا سلسلہ ملاحظہ فرمایئے :۔

پہلا واقعہ

مولوی صادق الیقین نام کے کوئی صاحب تھے۔ ان کے باپ سُنّی تھے لیکن وہ دیوبندی علماء کے زیرِ اثر رہ کر بد عقیدہ ہو گئے تھے جس کے سبب سے ان کے باپ ان سے ناراض رہا کرتے تھے، جب باپ بیٹے کے درمیان میں کشیدگی بہت زیادہ بڑھ گئی تو مولوی صادق الیقین گنگوہ چلے گئے اب اس کے بعد کا واقعہ خود مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی زبانی سُنیئے۔ لکھا ہے کہ :۔

"گنگوہ آنے کو تو آگئے مگر والد صاحب کی ناراضی کا اکثر خیال آتا تھا۔ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ لیکایک حضرت نے ان سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے والد کی طرف خیال کیا تھا ان کے قلب میں تمہاری محبت جوش مار رہی ہے اور یہ خفگی صرف ظاہری ہے اُمید ہے کل پرسوں تک تمہارے بلانے کو ان کا خط بھی آجائے چنانچہ دوسرے ہی دن شاہ صاحب کا خط آیا۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۲۴)

غیب دانی کی یہ شان قابلِ دیدنی ہے کہ کل کی بھی خبر دیدی۔ اور سیکڑوں میل کی مسافت سے دل کے مخفی حال کا بھی مشاہدہ فرمالیا۔ نہ قرآن کی کوئی آیت اس دعوے پر اثر انداز ہوئی اور نہ عقیدۂ توحید کو کوئی ٹھیس پہنچی۔

دوسرا واقعہ

صوفی کرم حسین نام کے کوئی صاحب تھے جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی خانقاہ کے حاضر باش تھے۔ ان کے متعلق تذکرۃ الرشید کے مصنف یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:۔

"صوفی کرم حسین صاحب ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور چند روز کے بعد صحت ہوگئی۔ ان کے مکان سے طلبی کا خط پہنچا تو انھوں نے روانگی کا قصد کیا۔ حضرت سے جب رخصت ہونے لگے تو خلافِ عادت فرمانے لگے، کرم حسین! کل کو مت جاؤ تین روز کے بعد جانا۔ ارادہ کا فسخ طبع کو گراں تو ہوا مگر ٹھہر گئے، اگلے دن دفعتاً تپ ولرزہ آیا اور وہ بھی اس شدت کے ساتھ کہ عشاء کے وقت تک اٹھ ہی نہ سکے۔ اس وقت خیال ہوا کہ آج راستہ میں ہوتا تو کیا مزہ آتا۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۲۲۶)

یعنی گنگوہی صاحب کو معلوم تھا کہ کل بخار آئے گا۔

تیسرا واقعہ

"تذکرۃ الرشید کے مصنف نے مولوی محمد یٰسین نام کے ایک شخص کے متعلق جو مدرسہ دیوبند میں مدرس تھے لکھا ہے کہ وہ ایک بار گنگوہ حاضر ہوئے۔ انہیں دیوبند واپس جانا تھی واپسی کی اجازت طلب کرنے کے لیے وہ دوپہر کے وقت مولوی رشید احمد صاحب کے پاس

گئے وہاں سے اجازت طلب کی لیکن بے حد اصرار کے باوجود انھوں نے واپس ہونے کی اجازت نہیں دی۔ جب کوئی عذر کارگر نہ ہوا تو آخر میں انھوں نے کہا کہ:۔

"کل کو بندہ کا مدرسہ میں حاضر ہو جانا ضروری ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مدرسہ کا حرج کا تو مجھے بھی بہت خیال ہے۔ لیکن تمہاری تکلیف کی وجہ سے کہتا ہوں کہ ناحق راستے میں مارے مارے پھروگے، سخت تکلیف اٹھاؤگے، باوجود حضرت کے باربار اس فرمانے کے ہمیں مطلق خیال نہ ہوا کہ "شیخ ہرچہ گوید دیدہ گوید" یعنی شیخ جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے، اپنی ہی کہے گئے۔" (تذکرہ، ج ۲، ص ۱۲۲)

اس کے بعد انھوں نے اپنی روانگی، اور راستے کی پریشانیوں اور رات بھر مارے مارے پھرنے کی تفصیل بیان کی ہے۔

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ "شیخ ہرچہ گوید دیدہ گوید" کا جو عقیدہ دیوبندی حضرات اپنے بزرگوں کے لیے روا رکھتے ہیں وہی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شرک عظیم سمجھتے ہیں۔

چوتھا واقعہ

ارواح ثلاثہ نامی کتاب کے واقعات کا ایک راوی امیر شاہ خان نے گنگوہی صاحب کے سفر حج کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں کہ ان کا جہاز جب جدہ پہنچا تو وہاں کے افسران

نے انہیں اترنے کی اجازت نہیں دی اور قرنطینہ کے لیے انہیں کامران واپس جانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ان ہی کی زبانی پورا واقعہ سنیئے۔ لکھا ہے کہ:۔

"تھوڑی دیر میں ایک عرب صاحب تشریف لائے اور انھوں نے کہا کہ گودی کے افسر رشوت خور ہیں اور وہ کچھ لینے کے لیے یہ حجت کر رہے ہیں، تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انہیں دلا کر راضی کر لوں گا۔
جب یہ خبر مولانا (گنگوہی) کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کوئی اسے کچھ نہ دے۔ ہم کو کامران واپس ہونا نہیں پڑے گا ہم یہیں اتریں گے۔ چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہوگیا کہ حاجیوں کو اتر جانا چاہیئے۔" (ارواح ثلاثہ ص ۲۸۶)

کئی صفحوں پر پھیلا ہوا آپ گنگوہی صاحب کی زبان سے کل کی خبروں کا سلسلہ پڑھ چکے۔ ان کے متعلق اس غیبی علم کے مظاہرے پر آج تک کوئی معترض نہ ہوا کہ غیر اللہ کے حق میں اس قسم کا اعتقاد قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن بُرا ہو تنگی دل کا کہ یہی کل کے علم و خبر کا سوال جب محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیدا ہوتا ہے تو ہر دیوبندی فاضل کی زبان پر قرآن کی یہ آیت ہوتی ہے۔ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

اس کتاب کا دوسرا باب جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے واقعات و حالات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہوگیا۔

جس تصویر کا پہلا رُخ کتاب کے ابتدائی حصے میں آپ کی نظر سے گذر چکا ہے یہ اُس کا دُوسرا رُخ تھا۔ اب چند لمحے کی فرصت نکال کر ذرا دونوں رخوں کا موازنہ کیجئے۔ اور انصاف و دیانت کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ تصویر کے پہلے رُخ میں جن عقائد و مسائل کو ان حضرات نے شرک قرار دیا تھا۔ جب ان ہی عقائد و مسائل کو انھوں نے اپنے حق میں قبول کر لیا تو اب کس منہ سے وہ اپنے آپ کو "مُوحّد" اور دوسروں کو مشرک قرار دیتے ہیں اب کتاب کا ورق اُلٹئے اور تیسرا باب پڑھیئے۔

تیسرا باب

دیوبندی جماعت کے مذہبی پیشوا جناب مولوی اشرف علی تھانوی کے بیان میں

اس باب میں

جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی
کے متعلق دیوبندی لٹریچر سے ایسے واقعات
وحقائق پیش کیے گئے ہیں جن میں عقیدۂ توحید
سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف اور منہ بولے
شرک کو اپنے حق میں اسلام وایمان بنالینے کی عبرت
انگیز مثالیں ورق ورق پر بکھری ہوئی ہیں
انھیں چشم حیرت سے پڑھیے اور وفا آشنا
ضمیر کا فیصلہ سننے کے لیے گوش
برآواز رہیے!

سلسلۂ واقعات

(۱)

تھانوی صاحب کے حق میں غیب دانی کا صاف و صریح دعویٰ

تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص مولوی

عبد الماجد دریابادی نے اپنی کتاب "حکیم الامۃ" میں ان کی ایک مجلس کا حال لکھتے ہوئے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ دیوبندی مذہب کی طرف سے حسن ظن رکھنے والوں کو چونکا دینے کے لیے کافی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"بعض بزرگوں کے حالات حضرت نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا " در حدیث دیگراں " یعنیہ ہم لوگوں کے جذبات و خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں نہ، سارے ہمارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے جارہے ہیں۔ صاحب کشف و کرامات ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔ (چند سطروں کے بعد) خیر اس وقت تو گویا اثر اس غیب دانی اور کشف صدر کا لے کر اٹھا مجلس برخاست ہوئی۔ (حکیم الامۃ صہ ۲۴)

اخیر کا یہ جملہ دوبارہ پڑھیئے۔ یہاں بات ایک دم کھُل کر سامنے آگئی ہے۔ مجاز و استعارہ کے بہام سے ہٹ کر بالکل صراحت کے ساتھ تھانوی صاحب کے حق میں "غیب دانی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ لفظ ہے جس پر پچاس برس سے یہ حضرات جنگ کرتے آرہے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر "قطعی کفر اور شرک ہے" جیسا کہ دیوبندی جماعت کے مستند امام مولوی عبدالشکور صاحب کاکوروی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم یہ نہیں کہتے کہ حضورؐ غیب جانتے تھے۔ یا غیب داں تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضور کو غیب کی باتوں پر اطلاع دی گئی۔ فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق اسی غیب دانی پر کرتے ہیں نہ کہ اطلاع پانی پر۔"
(فتح حقانی صہ۵)

دیکھ رہے ہیں آپ! ان حضرات کے تئیں فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق جس غیب دانی پر کرتے ہیں وہ اقرار کفر اپنے تھانوی صاحب کے حق میں کتنی بشاشت کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔ تھانوی صاحب کی غیب دانی کے سوال پر نہ اسلام کی کوئی دیوار منہدم ہوئی ہے اور نہ قرآن کے ساتھ کسی طرح کا تصادم لازم آیا ہے۔

اب یہیں سے سمجھ لیجئے کہ ان حضرات کی کتابوں میں کفر اور شرک کے جو مباحث سینکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اس کے پیچھے اصل مدعا کیا ہے۔ توحید پرستی کا جذبہ اگر خلوص پر مبنی ہوتا تو کفر و شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی یہ تفریق ہرگز روا نہ رکھی جاتی۔

(۲)
بیک وقت متعدد مقامات پر تھانوی صاحب کی موجودگی کا ایک حیرت انگیز واقعہ

خواجہ عزیز الحسن صاحب نے اشرف السوانح کے نام سے تین جلدوں میں تھانوی صاحب کی سوانح حیات لکھی ہے، جو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے شائع کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں تھانوی صاحب کا ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"عرصۂ دراز ہوا ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ گو دیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں، کیونکہ میں ایک بار خود حضرت والا کو باوجود تھانہ بھون میں ہونے کے علی گڑھ میں دیکھ چکا ہوں جب کہ وہاں نمائش تھی اور اس کے اندر سخت آگ لگی تھی میں بھی اس نمائش میں اپنی دوکان لے گیا تھا جس روز آگ لگنے والی تھی اس روز خلاف معمول عصر ہی کے وقت سے میرے قلب کے اندر ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ باوجود اس کے کہ اصل بکری کا وقت وہی تھا لیکن میں نے اپنی دوکان کا سارا ساز وسامان قبل از وقت ہی سمیٹ سمیٹ کر بکسوں میں بھرنا شروع کر دیا۔ جب بعد مغرب آگ لگنے کا شور وغل ہوا تو چونکہ میں اکیلا ہی تھا اور بکس بھی بھاری تھے۔ اس لیے میں سخت پریشان

ہوا کہ یا اللہ! دوکان سے باہر کیونکر لے جاؤں۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعتاً حضرت والا نمودار ہوئے اور بکسوں میں سے ایک ایک بکس کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ جلدی سے اٹھاؤ! چنانچہ ایک طرف سے تو اس بکس کو خود اٹھایا اور دوسری طرف میں نے اٹھایا۔ اسی طرح تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سارے بکس باہر رکھوا دیئے۔ اس آگ سے اور دوکانداروں کا تو بہت نقصان ہوا لیکن بفضلہ تعالیٰ میرا سب سامان بچ گیا۔

اس واقعہ کو سن کر احقر (یعنی مصنف کتاب نے) ان سے پوچھا کہ آپ نے حضرت والا سے یہ نہ دریافت کیا کہ آپ یہاں کہاں؟ اس پر انھوں نے کہا کہ اجی پوچھنے گچھنے کا تجھ کو اس وقت ہوش ہی کہاں تھا۔ میں تو اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔"

(اشرف السوانح ج ۲ ص ۱۷)

حیران و ششدر نہ رہ گئے ہوں تو یہ قصہ ایک بار اور پڑھ لیجئے۔ شخص واحد کے متعدد جگہ موجود ہونے کا ذکر یہاں بالکل صراحت کے ساتھ ہے۔ کہیں سے بھی استعارات وکنایات کا کوئی ابہام نہیں ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں پھر جی چاہتا ہے کہ محافل میلاد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے امکان پر تھانوی صاحب کا یہ سوال دوہرا دوں۔

"اگر ایک وقت میں کئی جگہ محفل منعقد ہو تو آیا سب جگہ تشریف

کے حق سے بدعت و شرک اور کفر وغیرہ لکھتے ہیں۔ انہیں وہ اپنے بزرگوں کے لیے عین ایمان قرار دیتے ہیں۔

بات اگر سی اندھے علم کلام کی ہوتی جس کا مظاہرہ بریلوی مکتب فکر کی طرف سے بالعموم پمفلٹوں اور پوسٹروں وغیرہ میں کیا جاتا رہتا ہے تو ہم نوٹس ہی نہ لیتے۔ مگر یہ کتاب دستاویزی حقائق اور ناقابل تردید شواہد پر مشتمل ہے اور فاضل مصنف اکثر و بیشتر سنجیدگی کا دامن تھامے رہے ہیں۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم بے لاگ تبصرے کا فرض ادا نہ کریں۔

کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مصنف ایک طرف تو حضرت اسمٰعیل شہید کی "تقویت الایمان" اور بعض اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے یہ دکھلاتے جاتے ہیں کہ انبیاء اولیاء کے حق میں علم غیب اور تصرف وغیرہ کے عقیدے کو علماء دیوبند نے شرک و بدعت اور خلاف توحید کہا ہے اور دوسری طرف یہ دکھلاتے ہیں کہ خود اپنے بزرگوں کے حق میں یہ سارے عقائد علماء دیوبند کے یہاں موجود ہیں۔

بات یقیناً تشویشناک ہے۔ مصنف نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے کہ ادھر ادھر سے چھوٹے موٹے فقرے لیکر ان سے مطالب پیدا کیے ہوں۔ بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی پیدا نہیں کیے ہیں۔ اگرچہ ہم حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگانِ دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔ ہم اگر عام روش کے مطابق اندھے مقلد اور فرقہ پرست

> ے جاویں گے یا کہیں ؟ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے کہ کہیں جاویں کہیں نہ جاویں اور اگر سب جگہ جاویں تو وجود آپ کا واحد ہے ہزار جگہ کس طور جا سکتے ہیں۔"
>
> (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۵۸)

کس طور جا سکتے ہیں؟ اب اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ ویسے ہم اس بات کے مدعی بھی نہیں کہ وہ ہر محفل میں تشریف لے جاتے ہیں۔ البتہ کوئی بھی غیر جانبدار شخص تھانوی صاحب کے اس واقعہ کے ضمن میں ان سوالات کا سامنا کیے بغیر نہیں رہ سکتا، جو اچانک ذہن کی سطح پر ابھر آتے ہیں۔

پہلا سوال تو یہی ہے کہ دیوبندی حضرات کے یہاں صحت و غلط کے جانچنے کا پیمانہ الگ الگ کیوں ہے۔ بات اگر غلط ہے تو ہر جگہ غلط ہونی چاہیئے اور اگر صحیح ہے تو دوسروں کے حق میں بھی اس کی صحت کیوں نہیں تسلیم کی جاتی۔ ایسا کیوں ہے کہ ایک ہی بات رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو کفر ہے شرک ہے ناممکن ہے۔ لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام ہے، ایمان ہے اور امر واقعہ ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تھانہ بھون میں موجود رہ کر علی گڈھ میں پیش آنے والے حادثہ کو قبل از وقت معلوم کر لینا کیا غیبی ادراک کی وہی قوت نہیں ہے جس کا پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دیوبندی حضرات مسلسل انکار کرتے چلے آرہے ہیں اور اسی انکار کی بنیاد پر وہ اپنی جماعت کو "موحدین" کی جماعت کہتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچ کر کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنا کیا دیوبندی مذہب کی زبان میں یہ خدائی اختیارات کی چیز نہیں ہے؟

اور پھر جس قدرت واختیار اور علم وانکشاف کا وہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تک کے حق میں شدت سے انکار کرتے آئے ہیں۔ تعجب ہے کہ اس کو اپنے حق میں ثابت کرتے ہوئے ا نہیں ذرا بھی عقیدۂ توحید کے تقاضوں سے انحراف نظر نہیں آیا۔ ان سوالات کے جوابات کے لیے میں آپ ہی کے ضمیر کا انصاف چاہوں گا۔

(۳)

ایک اور عبرت انگیز کہانی

توحید پرستی کے غرور میں خوش عقیدہ مسلمانوں کو بے دریغ مشرک، بدعتی اور قبر پرست کہنے والوں کی ایک اور عبرت خیز کہانی سنئے:۔

انہی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے سوانح نگار اشرف السوانح میں تھانوی صاحب کے پردادا محمد فرید صاحب کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آکر بارات پر حملہ کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے انھوں نے ان ڈاکوؤں پر دیر تک تیر برسانا شروع کیے۔ چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر بے سروسامانی تھی۔ یہ مقابلے میں شہید ہو گئے۔"

(اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۴)

اس کے بعد کا قصہ چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے لکھا ہے کہ:۔

"شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا، شب کے وقت اپنے گھر

مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا
کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کروگی تو اس طرح سے روز آیا کریں گے۔ لیکن ان
کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے
دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہہ کریں گے اس لیے ظاہر کر دیا اور آپ
تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔" (اشرف السوانح ج ا ص۱۲)

اللہ اکبر! ہم اگر مرسلین و انبیا شہدائے مقربین اور اولیائے کاملین کی صرف روحوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ خدائے قدیر نے انھیں عالم برزخ میں زندوں کی طرح حیات اور تصرف کی قدرت بخشی ہے تو بدعت و شرک، مردہ پرستی اور جاہلیت کے طعنوں سے ہمارا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ دارالافتا بادل کی طرح گرجنے اور برسنے لگتے ہیں۔

لیکن تھانوی صاحب کے "جد مقتول" کے متعلق اس واقعہ کی اشاعت پر کہ وہ زندوں کی طرح گھر پلٹ کر واپس آئے۔ دو بدو باتیں کیں، مٹھائی پیش کی، اور اسی شان سے ہر روز آنے کا مشروط وعدہ کیا اور جب شرط کی خلاف ورزی کی گئی تو آنا بند کر دیا۔ ان تمام باتوں پر کوئی بھی گریبان نہیں تھامتا، کوئی بھی ان چیزوں کو شرک نہیں ٹھہراتا، کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ ان کی لحد میں مٹھائی کی دوکان کس نے کھولی اور قرآن و حدیث میں اس طرح کے اختیارات کی دلیل کہاں سے ہے۔ نیز یہ بات ان تک کیسے پہنچی کہ ان کے گھر والی نے ان کے آنے کا راز فاش کر دیا ہے اور انھوں نے آنا بند کر دیا۔

ہے کوئی دیانت و انصاف کا حامی جو دیوبندی علما سے جا کر پوچھے کہ جو عقیدہ رسول و نبی، غوث و خواجہ اور مخدوم و قطب کی بابت شرک ہے وہی تھانوی صاحب کے

پرداداکی بابت کیوں کر ایمان واسلام بن گیا ہے۔ آنکھوں میں دھول جھونک کر توحید پرستی کا یہ سوانگ آخر کب تک رچایا جائے گا۔؟

ایک اور ایمان شکن واقعہ

اب لگے ہاتھوں اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمایئے جس کے راوی بھی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔ موصوف بیان کرتے ہیں کہ:۔

"مولانا اسماعیل دہلوی کے قافلے میں ایک شخص شہید ہوگئے جن کا نام بیدار بخت تھا۔ یہ مجاہد دیوبند کے رہنے والے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر آچکی تھی۔ ان کے والد حشمت علی خاں صاحب حسب معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات تہجد کی نماز کے لیے اٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے بیٹے بیدار بخت ہیں۔ بہت حیرانگی بڑھی کہ یہ تو بالاکوٹ میں شہید ہوگئے تھے۔ یہاں کیسے آگئے؟

بیدار بخت نے کہا جلدی کوئی دری وغیرہ بچھایئے حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور سید (احمد) صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ حشمت خاں نے فوراً ایک بڑی چٹائی بچھا دی۔ اتنے میں سید صاحب اور مولانا شہید اور چند دوسرے رفقا بھی آگئے۔ حشمت خاں صاحب نے محبت پدری کی وجہ سے سوال کیا کہ تمہارے کہاں گولی لگی تھی؟ بیدار بخت نے سر سے اپنا ڈھاٹا کھولا اور نصف

چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنے باپ کو دکھایا کہ یہاں تلوار لگی تھی حشمت خاں نے کہا، بیٹا یہ ڈھاٹا پھر سے باندھ لو، مجھ سے یہ نظارہ نہیں دیکھا جاتا۔ تھوڑی دیر بعد یہ تمام حضرات واپس تشریف لے گئے۔

صبح کو حشمت خاں کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہیں تھا مگر چٹائی کو بغور دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے۔ یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے اس کے والد نے دیکھے تھے۔ ان قطروں کو دیکھ کر حشمت خاں سمجھ گئے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے خواب کا نہیں۔

اخیر میں چند راویوں کے نام گنا کر فرماتے ہیں کہ اس حکایت کے اور بھی بہت سے معتبر راوی ہیں۔"

(ملفوظات مولانا اشرف علی تھانوی ص۳۰۴ مطبوعہ پاکستان

بحوالہ ہفت روزہ "چٹان" ۲۴ دسمبر ۶۲ء

اس عجیب وغریب واقعہ پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ دیوبند کے یہ شہید عظم جنہوں نے کرشمہ سازی میں دنیا کے تمام شہیدوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا ہے کس طرح کی جنگ میں قتل کیے گئے تھے۔ وہ کوئی جہاد فی سبیل اللہ تھا یا جنگ آزادی تھی۔ سچ کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا ہو کہ یہ بحث بھی شیخ دیوبند جناب مولوی حسین احمد صاحب نے طے کر دی ہے جیسا کہ اپنی خود نوشت سوانح حیات

کی دوسری جلد میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے۔ اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہو گی اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں، وہ حکومت کریں گے۔"

(نقش حیات، ج ۲ ص ۱۳)

آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوائے اس کے اور کیا رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضاکاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا۔

ویسے جہاں تک شہیدوں کی حیات اور ان کی روحانی سطوت کا تعلق ہے تو اس پر قرآن کی بے شمار آیتیں شاہد ہیں۔ لیکن یہ سارے فضائل ان مجاہدین کے حق میں ہیں، جو خدا کی زمین پر خدا کے دین کی بادشاہت اور اسلام کا سیاسی اقتدار قائم کرنے کے لیے اپنا خون بہاتے ہیں۔ لادینی حکومت اور "ملی جلی سرکار" بنانے کے لیے جو فوج اکٹھی کی جائے نہ وہ مجاہدین اسلام کی فوج کہلا سکتی ہے اور نہ اس فوج

کے مقتول سپاہی کو "اسلامی شہید" قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن شخصیت پرستی کی یہ ستم ظریفی دیکھئے کہ اس قصے میں جنگ آزادی کے ایک سیاسی مقتول کو بدر واحد کے شہیدوں سے بھی آگے بڑھا دیا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام کے سارے شہیدوں پر انھیں برتری حاصل ہونے کے باوجود ان کے متعلق بھی ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ وہ اپنا کٹا ہوا سر لے کر زندوں کی طرح اپنے گھر آئے ہوں اور گھر والوں سے بالمشافہ بات چیت کی ہو۔

دیوبندی ذہن کی یہ بوالعجبی بھی قابل دید ہے کہ قدرت واختیار کی جو بات وہ اپنے ایک سیاسی مقتول کے لیے بے چوں وچرا تسلیم کر لیتے ہیں اسی کو ہم اگر حسین و کربلا کے شہیدوں کے لیے مان لیں تو ہمیں مشرک ٹھہرایا جاتا ہے۔ لیکن ان کے عقیدۂ توحید کی اجارہ داری میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

خودبینی کی ایک شرمناک کہانی

اب ایک اور دلچسپ واقعہ سنیئے:۔ اسی اشرف السوانح کے مصنف تھانوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت والا ایک مریدنی کا واقعہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اس نے سکرات کے عالم میں میرا نام لے کر کہا کہ وہ اونٹنی لے کر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر بیٹھ کر چل! پھر اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔"

(اشرف السوانح ج۳ ص۸۶)

اپنی غیب دانی اور قوت تصرف کی یہ خاموش تبلیغ ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ کوئی دوسرا نہیں

خود اپنے متعلق آپ ہی بیان فرمار ہے ہیں۔ کوئی بیگانہ سنے تو البتہ اس واقعہ کی صحت پر شک کر سکتا ہے۔ لیکن مریدین و معتقدین کس قلب و گوش کے ہوتے ہیں، یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ پیر صاحب انکار بھی کر دیں تو وہ اسے تواضع پر محمول کریں گے۔

تھانوی صاحب اس واقعہ کے اظہار سے اپنے حلقہ بگوشوں کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انہیں اپنی مریدنی کی موت کا وقت معلوم ہو گیا تھا اور وہ اسے دیکھنے کے لیے اونٹ کی سواری کے کرس کے پاس پہنچ گئے۔

اس واقعے سے جہاں ان کی غیب دانی پر روشنی پڑتی ہے، وہیں ان کی قوت تصرف بھی پورے طور پر نمایاں ہو جاتی ہے کہ اپنے وجود کو متعدد جگہ پہنچا دینا کسی کے لیے ناممکن ہو تو ہو لیکن ان کے لیے امر واقعہ ہے۔

ایک اور لطیفہ

اس واقعہ کے بیان سے کتاب کے مصنف نے یہ مدعا ظاہر کیا ہے کہ وجود انسانی کے ہر مرحلے میں تھانوی صاحب اپنے مریدین و متوسلین کے لیے کارساز و نجات دہندہ تھے۔

چنانچہ اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے صاحب کتاب نے متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ نمونے کے طور پر کتاب کے چند اقتباسات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں کہ:۔

> "حضرت والا کے متوسلین کے حسن خاتمہ کے بہ کثرت واقعات ہیں جن سے مقبولیت و برکت کا سلسلہ ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی (یعنی تھانوی صاحب کے پیر) کے سلسلہ کی یہ برکت ہے کہ جو بلا واسطہ یا بالواسطہ حضرت سے بیعت

ہوا س کا بفضلہٖ تعالیٰ خاتمہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ متوسلین کو مُرید ہونے کے بعد دنیا دار ہی رہے مگر ان کا بھی خاتمہ بفضلہٖ تعالیٰ اولیاء اللہ کا سا ہوا۔" (اشرف السوانح ج ۲ ص ۸۲)

یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی طرح خاتمہ کے لیے اب عبادت و تقویٰ اور اعمال صالحہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ تھانوی صاحب کے ہاتھ پر صرف مُرید ہو جانا اس بات کی ضمانت ہے کہ اولیاء اللہ کا سا انجام اس کے حق میں مقدر ہو گیا۔

اب اس سے بھی زیادہ ایک عبرت انگیز قصہ سُنیے۔ کتاب کے مصنّف لکھتے ہیں کہ:۔

" احقر سے میرے متعدد پیر بھائیوں نے اپنی بعض مستورات کے حسن خاتمہ کے عجیب وغریب واقعات بیان کیے ہیں جو حضرت والا سے مُرید تھیں۔

احقر کے ایک بہنوئی تھے جو عرصۂ دراز ہوا حضرت والا سے کانپور جا کر مُرید ہو آئے تھے جب کہ اتفاقاً حضرت والا وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ بعد انتقال ایک صالحہ بی بی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ کہہ رہے ہیں کہ بہت ہی اچھا ہوا جو میں پہلے سے حضرت مولانا سے کانپور جا کر مُرید ہو آیا، میں یہاں بڑے آرام میں ہوں۔"

(اشرف السوانح ج ۳ ص ۸۶)

ملاحظہ فرمایئے۔ صرف ہاتھ تھام لینے کی برکت ظاہر ہوئی کہ عالم آخرت کا سارا معاملہ درست

ہوگیا۔ اس عالم کے کسی نودارد کا یہ کہنا کہ "بہت اچھا ہوا جو میں حضرت مولانا سے مرید ہوگیا" بلاوجہ نہیں ہے یقیناً اس نے وہاں اپنے پیر کی نسبت غلامی کا کوئی اعزاز ضرور دیکھا ہوگا۔

اب ایک طرف دربار خداوندی میں تھانوی صاحب کے اثر و رسوخ کی یہ شان دیکھئے کہ ان کا ایک ادنیٰ مرید بھی ان کی نسبت غلامی کے اعزاز سے محروم نہیں رہتا اور دوسری طرف محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان حضرات کے دلوں کا بخل ملاحظہ فرمایئے۔ آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپک پڑے گی تقویۃ الایمان کے مصنف لکھتے ہیں:

"انھوں نے اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہو سکتا ہے کہ اپنے اختیار کی ہو اور اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔ سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا درست کرلے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرلے۔"

(تقویۃ الایمان ملخصاً ص ۳۸)

(۵)

نیازمندوں میں تھانوی صاحب کی غیب دانی کے عقیدے کا چرچا

تھانوی صاحب کی غیب دانی سے متعلق

ان کے حاشیہ نشینوں اور مریدین کا ذہن بھی پڑھنے کی چیز ہے اس سے اس ماحول کا اندازہ ہوگا جس پر کسی بھی مذہبی پیشوا کے مزاج و خیالات کا عکس پڑتا ہے۔ اشرف السوانح کا مصنف لکھتا ہے کہ:-

ہوتے تو بس اتنا ہی کر سکتے تھے کہ اس کتاب کو ذکر ہی نہ کریں۔ لیکن خدا بچائے انتہا پسندی اور گروہ بندی کی باطل ذہنیت سے ہم نے پایا نتیجہ اور ارادہ فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ مستند علمائے دیوبند پر تضاد دلپسندی کا جو الزام اس کتاب میں دلیل و شہادت کے ساتھ عائد کیا گیا ہے وہ اٹل ہے۔

یہ دیوبندیوں کے لٹریچر کی خاصی مشہور کتابیں۔ ارواح ثلثہ، تذکرۃ الرشید، سوانح قاسمی، اشرف السوانح، المہند، کالشیخ الاسلام نمبر، انفاس قدسیہ وغیرہ ان کی صورتیں دیکھنے اور کہیں کہیں سے پڑھنے کا شاید ہمیں بھی اتفاق ہوا ہو۔ لیکن یہ "زلزلہ" ہی سے منکشف ہوا کہ ان میں کیسے کیسے عجوبے اور کیسی کیسی ان کہنیاں محفوظ ہیں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ واقعہ یہ ہے کہ فحش ناول بھی اپنے قارئین کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا ان کتابوں نے پہنچایا ہو گا ان کے باقی اوراق پر چاہے حقائق اور معارف کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں۔ لیکن جو اقتباسات "زلزلہ" میں نقل کیے گئے ہیں وہ بجائے خود اس کے لیے کافی ہیں کہ سادہ لوح قارئین کی دھجیاں اڑادیں اور خدا پرستی کی جگہ انہیں "بزرگ پرستی" کا ایسا سبق دیں جس کے زہر کو کوئی تریاق نہ ہو۔

مصنف بار بار پوچھتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے اس تضاد کا جواب کیا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ اس سوال کا جواب مولانا منظور نعمانی یا مولانا محمد طیب صاحب کو دینا چاہیے۔ مگر وہ کبھی نہ دیں گے کیونکہ جو اعتراض ایک ناقابل تردید صداقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا جواب دیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہمیں چونکہ علمائے دیوبند کی مذہبی وکالت نہیں کرنی ہے۔ اس لیے موٹا سا جواب ہم دیتے ہیں کہ مرحوم علماء دیوبند صرف عالم ہی نہیں تھے بلکہ صوفی اور شیخ بھی تھے۔ تصوف کتنا ہی محتاط ہو وہ اپنے ساتھ

"اس امر کی تصدیق بارہا لوگوں سے سننے میں آئی اور خود بھی بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ جو دل میں لے کر آئے یا جو اشکال قلب میں پیدا ہوئیں قبل ظہور ہی اس کا جواب حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے ہو گیا، یا باطنی پریشانی کی حالت میں حاضر ہوئے تو خطاب خاص یا خطاب عام میں کوئی بات ایسی فرما دی جس سے تسلی ہو گئی۔" (اشرف السوانح ص۵۹)

اب لگے ہاتھوں اسی کے ساتھ تھانوی صاحب کی غیب دانی کے متعلق ان کے ایک صف بگوش کا جذبۂ یقین اور تھانوی صاحب کا دلچسپ جواب ملاحظہ فرما لیجئے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک مشہور فاضل نے جزماً اپنا یہی اعتقاد (کہ آپ غیب داں ہیں) تحریر فرما کر بھیجا تو حضرت والا نے ان کے خیال کی نفی فرمائی اور جب پھر بھی انھوں نے نہ مانا اور اس نفی کو تواضع پر محمول کیا تو حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ وہ تاجر بڑا خوش قسمت ہے جو اپنے سودے کا ناقص ہونا خود ظاہر کر رہا ہے۔ لیکن خریدار پھر بھی یہی کہہ رہا ہے نہیں یہ ناقص نہیں ہے بہت قیمتی ہے۔" (اشرف السوانح ج ۳ ص۵۹)

اب بتائیے کون بد بخت مرید ہے جو اپنے پیر کو خوش قسمت دیکھنا نہیں چاہتا۔ اس جواب میں اپنی غیب دانی کا اعتقاد رکھنے والوں کے لیے خاموش حوصلہ افزائی کا جو جذبہ کارفرما ہے وہ

اتنی نمایاں ہے کہ اس پر کوئی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ تھانوی صاحب کے بارے میں غیب دانی کا عقیدہ اگر شرک تھا تو یہاں فتوے کی زبان کیوں نہیں استعمال کی گئی۔

اور سب سے سنگین الزام تو یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے انکار کو تو تواضع پر محمول کر لیا گیا ور انھوں نے دبی زبان سے خود اس کی توثیق بھی فرمادی لیکن یہ کیسا اندھیر ہے کہ بعض چیزوں کے علم وخبر سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انکار کو ہزار فہمائش کے باوجود تواضع پر محمول نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نصف صدی سے یہی اصرار کیا جا رہا ہے کہ معاذ اللہ حقیقتاً وہ مخفیات کے علم وخبر سے عاری تھے۔

اب اس مقدمے کا فیصلہ بھی آپ ہی کے جذبۂ انصاف پر چھوڑتا ہوں

۱۷

ایک اور ایمان شکن کہانی

اشرف السوانح کے مصنف نے تھانوی صاحب کے متعلق قبل ولادت کی ایک پیش گوئی نقل کی ہے عبارت کا یہ ٹکڑا پڑھنے کے قابل ہے۔

> "نام نامی اشرف علی ہے۔ یہ نام حضرت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ کے مقبول عام اور مشہور زندہ دل خدمت مجذوب تھے۔ قبل ولادت حضرت والا بلکہ استقرار حمل کے بطور پیش گوئی تجویز فرمادیا تھا۔" (اشرف السوانح ج ۱ صـ ۷)

تھانوی صاحب نے مقدمہ "حسام عبرت" کے نام سے خود بھی اپنا ایک "میلاد نامہ" مرتب کیا

اپنے حسب ہیں انھوں نے ایک نہایت دلچسپ روایت بیان کی ہے جو پڑھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں کہ :-

"انھوں نے حضرت حافظ غلام مرتضیٰ مجذوب پانی پتی سے شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے۔ حافظ صاحب نے بطریق معمّا فرمایا کہ عمرؓ و علیؓ کی کشاکش میں مرجاتے ہیں۔ اب کی بار علی کے سپرد کر دینا، زندہ رہے گا۔ (چند سطروں کے بعد) پھر فرمایا اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے۔ ایک کا نام اشرف علی خاں رکھنا دوسرے کا نام اکبر علی خاں۔ نام لیتے وقت خاں اپنی طرف سے جوش میں آکر بڑھا دیا تھا کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پٹھان ہوں گے؟ فرمایا نہیں اشرف علی اور اکبر علی نام رکھنا۔

یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہوگا وہ مولوی ہوگا اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا۔ چنانچہ یہ سب پیش گوئیاں حرف بہ حرف راست نکلیں۔ (اور اس کے بعد صاحب کتاب لکھتے ہیں کہ)

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ جو کبھی اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں، ان ہی مجذوب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔" (اشرف السوانح، ج ا ص ۱۵)

ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ یہ وہ غیبی علم ہے جس کا دیوبندی حضرات کے نزدیک غیر خدا کے لیے ماننا شرک ہے، لیکن غضب دیکھیے کہ اپنے متعلق حمل ہی نہیں استقرار حمل سے بھی

پہلے کا علم تسلیم کر لیا گیا اور صرف اپنا ہی نہیں ساتھ ساتھ اپنے بھائی کا بھی اور وہ بھی اتنا واضح کہ نام تک تجویز فرما دیا اور اوصاف و احوال کی بھی نشان دہی کر دی۔

دیوبندی مذہب میں اسی قوت کا نام خدائی اختیار ہے۔ لیکن اپنی شان کے اظہار کے لیے یہ خدائی قوت بھی غیر خدا کے حق میں بے چوں وچرا تسلیم کر لی گئی اور عقیدۂ توحید پر ذرا آنچ تک نہیں آئی۔

(۷)

دیوبندی جماعت کے ایک شیخ مولوی عبدالرحیم شاہ رائے پوری کے متعلق کتاب ارواح ثلاثہ میں تھانوی صاحب کا یہ منہ بولا بیان نقل کیا گیا ہے:۔

> "فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا قلب بڑا نورانی تھا میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔" (ارواح ثلاثہ صلا۲۴)

دین و دیانت کا خون اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ ایک اُمتی کا قلب اتنا نورانی ہو جائے کہ اعمال وجوارح کی معنوی کیفیات تک اس سے مخفی نہ رہ سکیں اور وہ چھپ کر کیے جانے والے عیوب تک سے باخبر ہو جائے لیکن یہی عقیدہ پیغمبروں کے حق میں لائق گردن زدنی سمجھا جائے۔

سچ پوچھئے تو دیوبندی حضرات کے ساتھ مذہبی اختلافات کی پوری سرگزشت میں سارا ماتم دل کی اسی تیرہ نصیبی کا ہے کہ اپنے بزرگوں کے حق میں یہ لوگ جتنا کشادہ دل واقع ہوئے ہیں اس کے تناسب حصے کے برابر بھی اگر مدنی سرکار کے حق میں ان کے دل کا کوئی گوشہ نرم ہو جاتا تو مصالحت کی بہت سی راہیں نکل سکتی تھیں۔

اسی جماعت کے دوسرے بزرگ کے حق میں اسی غیب دانی سے متعلق تھانوی صاحب کا ایک اور اعتراف ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے کہ:۔

"ایک دن تھانوی صاحب نے) حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بابت فرمایا کہ انھوں نے خبر دے دی تھی اس وبا کی جس میں ان (کے) اعزہ نے وفات پائی تھی۔
پھر فرمایا کہ مولانا تھے بڑے صاحب کشف! رمضان ہی میں خبر دے دی تھی کہ ایک بلائے عظیم رمضان کے بعد آوے گی، ابھی آجاتی لیکن رمضان کی برکت سے رکی ہوئی ہے اگر لوگ بچنا چاہیں تو ہر چیز میں صدقات دے دیں۔" (حسن العزیز، ج ا صـ۲۹۳)

کل کیا ہوگا اس کا تعلق بھی علم غیب سے ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ بات یہاں کل سے بھی آگے نکل گئی ہے اور علم بھی ہے تو صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ایک بلا آنے والی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ابھی آجاتی مگر رمضان کی برکت سے رکی ہوئی ہے اور لوگ صدقہ دے دیں تو واپس بھی لوٹ جائے گی۔

اب ہماری نظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ یہی عقیدہ اگر ہم کسی نبی یا ولی کے حق میں جائز تصور کرلیں تو ہمارا ایمان و اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے اور یہ اپنے سارے قبیلے کے حق میں ڈنکا پیٹ رہے ہیں تو یہاں سب خیریت ہے۔

چھوٹے میاں کا قصّہ

اب تک تو قبیلے کے شیوخ کا تذکرہ تھا۔ اب چھوٹے میاں کا واقعہ سُنیے۔ اشرف السوانح کے مصنف نے تھانوی صاحب کے خلیفۂ مجاز حافظ عمر علی گڑھی کے غیبی انکشافات کے متعلق ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک بار حافظ صاحب رات کی ریل سے تھانہ بھون حاضر ہوئے تو جب ریل (تھانوی صاحب کی) خانقاہ کے محاذ سے گذری تو انھوں نے بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے آسمان تک انوار کا ایک تار لگا ہوا ہے۔"

(اشرف السوانح، ج ۳ ص)

ایک تیر میں دو نشانہ اسی کو کہتے ہیں ایک طرف اپنی غیبی قوت انکشاف کا دعویٰ بھی ہے کہ نور کے اس سلسلہ کا تعلق عالم غیب ہی سے تھا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ روئے زمین پر خانۂ کعبہ اور گنبد خضرا کی طرح تھانوی صاحب کی مسجد و خانقاہ کا گنبد بھی غیبی انوار و تجلیات کے نزول اجلال کا مرکز ہے۔

جب خلیفۂ مجاز کی غیبی قوت ادراک کا یہ حال ہے کہ ماتھے کی آنکھوں سے عالم غیب کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو اسی سے حساب لگا لیجئے کہ شیخ کی قوت انکشاف کا کیا عالم ہوگا۔

چوتھا باب

شیخ دیوبند جناب مولوی حسین احمد صاحب مدنی کے بیان میں

اس باب میں

شیخ دیوبند جناب مولوی حسین احمد صاحب کے متعلق دیوبندی لٹریچر سے وہ واقعات و حالات جمع کیے گئے ہیں جن میں عقیدۂ توحید سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک کو اپنے حق میں اسلام و ایمان بنا لینے کی شرمناک مثالیں ورق ورق پر بکھری ہوئی ہیں، چشم انصاف کھول کر پڑھیے اور ضمیر کا فیصلہ سننے کے لیے گوش برآواز رہیے!

سلسلہ واقعات

غیبی علم اور روحانی تصرف کی ایک حیرت انگیز کہانی

روزنامہ الجمعیۃ دہلی نے دیوبند کے مولوی حسین احمد صاحب کے حالات زندگی پر "شیخ الاسلام نمبر" کے نام سے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جمعیۃ العلماء کا آرگن ہونے کی حیثیت سے اس اخبار کو اپنی جماعت میں جو حسن اعتماد حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اسی شیخ الاسلام نمبر میں مولوی حسین احمد صاحب کے فرزند مولوی سعد میاں کی روایت سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ کرامات ومکاشفات کے عنوان کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے کہ:۔

"غزالی صاحب دہلوی نے مدینہ طیبہ میں مجھ سے بیان کیا کہ میں دہلی کے ایک سیاسی جلسہ میں شریک ہوا۔ حضرت والا بھی اس میں شریک تھے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ عورتیں بھی اسٹیج پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ دل میں خیال گذرا کہ وہ شخص کیا ولی ہوسکتا ہے جو ایسے مجمع عام میں جہاں عورتیں بھی موجود ہوں، شرکت کرے۔ یہ خیال آکر حضرت سے اس درجہ نفرت

پیدا ہوئی کہ میں جلسہ سے چلا آیا۔
اُس ہی شب خواب میں دیکھا کہ حضرت نے مجھے سینے سے لگا لیا
ہے جس کے اُس ہی وقت میرا قلب ذاکر ہوگیا اور وہ نفرت عقیدت سے
بدل گئی۔ (شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۶۲)

ذرا اس واقعے میں عجائبات کی فراوانی ملاحظہ فرمایئے۔ یہ کتنی بڑی غیب دانی ہے کہ مجلس سے روپوش رہ کر چلے جانے والے ایک اجنبی شخص کے دل کا حال معلوم کیا اور صرف معلوم ہی نہیں کیا بلکہ ایک پیکر لطیف میں اپنے آپ کو منتقل کر کے خواب میں تشریف بھی لے آئے اور ایک ہی نشانے میں یہ دوسرا تصرف ملاحظہ فرمایئے کہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہی چونک وہ نفرت بھی عقیدت سے بدل گئی۔ اور تیسرا تماشا یہ کہ اسی وقت سے سونے والے کے دل کے لطائف بھی جاگ گئے۔

یہ ساری باتیں وہ ہیں کہ اگر ہم کسی نبی یا ولی کے حق میں اس طرح کا عقیدہ ظاہر کردیں تو شرک کے بوجھ سے گردن ٹوٹ جائے۔

لیکن اپنے شیخ کا مرتبہ دوبالا کرنے کے لیے ایمان کا خون بھی کردیا جائے تو بہ حال سب روا ہے۔

اپنی وفات کا علم

مولوی ریاض احمد صاحب فیض آبادی صدر جمعیۃ علمائے میسور نے اسی شیخ الاسلام نمبر میں مولوی حسین احمد صاحب کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ دمِ رخصت موصوف کی یہ گفتگو خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے۔

"میں نے کہا کہ حضرت انشاء اللہ اختتام سال پر ضرور حاضر ہوں گا فرمایا
کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہوگی، اب تو میدان آخرت ہی میں انشاء اللہ ملو گے
مجمع میرے جو قریب تھا۔ احقر کی معیت میں آبدیدہ ہوگیا۔ حضرت نے
فرمایا کہ رونے کی کیا بات ہے؟ کیا مجھے موت نہ آئے گی؟ اس پر احقر
نے الحاح کے ساتھ کچھ علم غیب اور زیادتی عمر پر بات کرنی چاہی۔ مگر
فرطِ غم کے باعث بول نہ سکا۔" (شیخ الاسلام نمبر ص۱۵۶)

اس گفتگو کا حاصل سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ مولوی حسین احمد صاحب کو کئی ماہ پیشتر اپنی موت کا علم ہوگیا تھا، اور "کہہ دیا کہ ملاقات نہیں ہوگی۔" یہ لب و لہجہ شک اور تذبذب کا نہیں یقین و اذعان کا ہے۔ "مجمع آبدیدہ ہوگیا" یہ جملہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کو سچ مچ اس خبر کا یقین ہوگیا۔

اس واقعہ میں جو چیز خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ موت کا علم یقینی، امورِ غیب ہی سے تعلق رکھتا ہے، لیکن قرآن کی کوئی آیت اور حدیث کی کوئی روایت نہ مولوی حسین احمد صاحب کو اس علم کے خاموش ادعا سے روک سکی اور نہ ہی اس خبر پر ایمان رکھنے والوں کی راہ میں حائل ہوئی۔ اور اب اس کی اس طرح تشہیر کی جارہی ہے۔ جیسے دنیا کی کوئی مسلمہ حقیقت بن گئی ہو۔

(۳) اس علم کا ایک قصہ کہ بارش کب ہوگی؟

مولوی جمیل الرحمٰن سیوہاری مفتی دارالعلوم دیوبند نے بھی شیخ الاسلام

کشف و کرامات و معجزات اور تصرفات کے طلسم خانے معرض وجود میں لاتا ہے۔ پھر یہ طلسم خانے مریدانِ باصفا کی اندھی عقیدت مندیوں اور خوش فہمیوں کی آمیزش سے تہہ در تہہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ شریعت کے محکم اصول و عقائد کے لیے ان کی حیثیت جیبھ کی ہو جاتی ہے اور قرآن و سنت کو معیار بنانے والے ناقدین کی زبانیں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ تصوف شر ہے، مفسدہ ہے، شریعت کا دشمن ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ تذکرۃ الرشید اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے کچھ یہ توقع رکھنی ہی نہیں چاہیے کہ وہ افسانہ تراشیوں اور مبالغوں کی آمیزش سے پاک ہوں گی۔ ارادت مند حضرات جب اپنے ممدوحوں کے تذکرے لکھتے ہیں تو نا ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ فن روایت کے اس اعلیٰ اور محتاط معیار کا لحاظ رکھ سکیں جس کے ذریعہ احادیث کو جانچا پرکھا جاتا ہے۔ بس یہی رونا ان مریدانِ باصفا کا نہیں جو غیر عالم ہیں بلکہ اس ذیل میں تو جیسے علماء اور "روشن فکر" حضرات بھی ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔ یہ سوانح قاسمی کے فاضل مرتب مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہٗ کیا معمولی درجے کے عالم تھے؟ یہ تذکرۃ الرشید کے عالی قدر مرتب مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جہلا کی صف میں تھے؟ یہ انفاس قدسیہ کے محترم مدون مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کیا بے پڑھے لکھے آدمی ہیں؟ یہ الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر اور خواجہ غریب نواز نمبر شائع کرنے والے کیا غیر عالم ہیں؟ اور یہ ارواح ثلثہ کے مصنف امیر شاہ خاں کیا کباڑی بازار کی جنس تھے؟ نہیں۔ یہ سب ماشاء اللہ لائق فائق علمائے شریعت ہیں اور دوسروں کے عقائد و افکار پر احتسابات کی بوچھار کرنے میں ان کی اہلیت مشتبہ کرنا سخت ظلم ہوگا۔ مگر یہی مکرم حضرات جب اپنے ممدوحوں اور بزرگوں کے احوال بیان کرتے تھے

نمبر میں سہسپور ضلع بجنور کے ایک جلسہ کا ذکر کیا ہے جو کانگریس کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا اور جس میں مولوی حسین احمد صاحب بھی شریک تھے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ عین وقت جلسہ سے کچھ پہلے اچانک آسمان ابر آلود ہوگیا موسم کا رنگ دیکھ کر منتظمین جلسہ سراسیمہ ہوئے، اب اس کے بعد کا قصہ خود واقعہ نگار کی زبانی سنئے۔ لکھا ہے کہ:۔

"اسی دوران میں جامع الروایات غفرلہ (یعنی واقعہ نگار) کو جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے علیحدہ ہی کران الفاظ میں ہدایت کی کہ "مولوی حسین احمد سے کہہ دو کہ علاقے کا صاحب خدمت میں ہوں اگر وہ بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا۔"

رقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پاکر وجہ معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک عجیب پُرجلال انداز میں بستر استراحت ہی سے ارشاد فرمایا۔ جا یئے کہہ دیجئے!! بارش نہیں ہوگی۔" (شیخ الاسلام نمبر ص۱۴۷)

بستر استراحت ہی سے ارشاد فرمایا، یہ جملہ بتا رہا ہے کہ انھوں نے "بارش نہیں ہوگی" کا حکم آسمان کا رنگ دیکھ کر نہیں دیا تھا بلکہ اس حکم کے پیچھے اسی غیبی علم و ادراک کا ادعا تھا جس کا تعلق امور غیب سے ہے۔ یعنی اپنے اسی غیبی علم کے ذریعہ انھوں نے آئندہ

کا حال معلوم کر لیا تھا اور جزم و یقین کے ساتھ کہہ دیا کہ بارش نہیں ہوگی۔

یا پھر اس واقعہ میں اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ عالم کے تکوینی اختیارات اس مجذوب کے ہاتھ میں نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں ہیں۔ میں بارش روکنا چاہوں تو بلا شرکت غیرے خود بھی اس کی قدرت رکھتا ہوں۔

بہر حال دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو مذہبی معتقدات سے انحراف کی بدترین مثال ہے جبکہ دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں ہے:۔

> "اسی طرح مینہ برسنے کے وقت کی خبر کسی کو نہیں حالانکہ اس کا موسم بھی بندھا ہوا ہے اور ان موسموں پر برستا بھی ہے اور سارے نبی ولی بادشاہ اور حکیم اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں سو اگر اس کا وقت معلوم کرنے کی کوئی راہ ہوتی تو کوئی البتہ پا لیتا۔
>
> (تقویۃ الایمان ص ۲۲)

اس مقام پر پہنچ کر آپ کے ایمان کی وہ رگ چھیڑنا چاہتا ہوں جہاں سے غیرت عشق کو زندگی ملتی ہے۔ حق کے ساتھ انصاف کرنے میں کسی کی پاسداری نہ کیجئے گا۔

ایک طرف کاروبار عالم میں شیخ دیوبند کا کائنات گیر اقتدار دیکھئے اور دوسری طرف دو جہاں کے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان محبوبیت پر ان حضرات کے تیشۂ ظلم کی ضرب ملاحظہ فرمائیے:۔

> "سارے کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" (تقویۃ الایمان ص ۵۵)

(۴)

مقدرات الٰہی میں اثر و رسوخ کا ایک عجیب واقعہ

آپ کی شیخ ۔۔۔ سید محمد میاں اسعد میاں نے اپنے "بزرگوار" کے متعلق سابرمتی جیل کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ مولوی حسین احمد صاحب بھی اسی جیل میں نظر بند تھے وہ لکھتے ہیں کہ اسی دوران جیل کے ایک قیدی کو پھانسی کی سزا ہوگئی۔ یہ سن کر اس کا خون سوکھ گیا۔ منشی محمد حسین نامی کسی قیدی کے ذریعہ اس نے مولوی حسین احمد صاحب سے دعا کی درخواست کرائی۔ اب آگے کا واقعہ خود واقعہ نگار کی زبانی سنیے۔ لکھا ہے کہ:

"منشی محمد حسین، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سر ہوئے فرمایا اچھا جاکر اس سے کہدو کہ وہ رہا ہوگیا۔ منشی محمد حسین صاحب نے اس سے جاکر کہدیا کہ باپو نے کہہ دیا ہے کہ تو رہا ہوگیا دو ایک روز گزرنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ منشی حسین نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے تو کہہ دیا کہ وہ رہا ہوگیا۔ اس کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ منشی محمد حسین نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے تو کہہ دیا کہ وہ رہا ہوگیا۔ اس کے بعد دو ایک یوم پھانسی کے رہ گئے تھے کہ اس کی رہائی کا حکم آگیا۔"

(شیخ الاسلام نمبر ص ۱۲۳)

دعا کی درخواست کے جواب میں "رہا ہو جائے گا" یہ ایک پُر اُمید جواب کی حیثیت سے تو سمجھ میں آسکتا ہے۔ لیکن رہا ہونے سے قبل "رہا ہو گیا" یہ فقرہ اسی کی زبان سے نکل سکتا ہے جس کے ہاتھ میں قضا و قدر کا محکمہ ہو، یا پھر عالم غیب کا سارا کاروبار جس کے پیش نظر ہو۔ اس کے سوا ایک دانش ور کی زبان سے نکلے ہوئے اس جملے کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

کاروبار عالم میں مولوی حسین احمد صاحب کا اختیار و تصرف ثابت کرنے کے لیے تو یہ واقعہ تراشا گیا ہے لیکن سلطان کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف و اختیار کے سوال پر ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

> "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔" (تقویۃ الایمان ص۴۱)

اب آپ ہی بتایئے کہ حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کے لیے کیا اب بھی مزید کسی نشان دہی کی ضرورت باقی ہے؟

(۵)

ایک اور حیرت انگیز تماشا

نگاہ پر بار نہ ہو تو ایک حیرت انگیز تماشا اور ملاحظہ فرمایئے۔ مولوی احمد حسین لاہوری نامی ایک شخص نے شیخ الاسلام نمبر میں اپنی ایک عجیب و غریب سرگزشت لکھی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ابتدائی ایام میں میری اکثر نمازیں فوت ہو جایا کرتی تھیں خاص طور پر فجر اور ظہر کی۔ لکھتے ہیں کہ پریشان ہو کر میں نے یہ شکایت حضرت شیخ کو لکھ بھیجی۔ اس پر حضور نے تنبیہ فرمائی۔ اس کے بعد کا واقعہ خود موصوف کی زبانی سنیے۔ بیان کرتے ہیں کہ:۔

اس کے بعد سے میری یہ کیفیت ہوگئی کہ بلاناغہ فجر وظہر کی نماز کے وقت خواب میں حضرت کو غصے کی حالت میں دیکھا کرتا تھا فرماتے تھے کہ کیوں نماز پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے۔

میں گھبرا کر اٹھ جاتا۔ یہ کیفیت تقریباً ایک ڈیڑھ ماہ رہی۔ جب اچھی طرح نماز کا پابند ہوگیا تو یہ کیفیت ختم ہوگئی۔"

(شیخ الاسلام نمبر ص ۳۹)

سیکڑوں میل کی مسافت سے بالالتزام فجر اور ظہر کے وقت ہر روز کسی کو آکر اٹھا دینا جہاں باطنی تصرف کا بہت بڑا کمال ہے وہاں اس عظیم قوت انکشاف کا بھی حال ہے کہ سیکڑوں میل کے فاصلے سے وہ ہر روز یہ بھی معلوم کر لیا کرتے تھے کہ فلاں شخص سو رہا ہے اس نے اب تک نماز نہیں پڑھی اور پھر جب وہ نماز کا پابند ہوگیا تو انھیں اس کی بھی خبر ہوگئی اور انھوں نے خواب میں آنا چھوڑ دیا۔

یہ واقعہ پڑھتے وقت ایک خالی الذہن آدمی بالکل یہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے گھر ہی کے اندر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں کسی سونے والے آدمی کو وہ نماز کے وقت اٹھا دیا کرتے تھے۔

دل کے خطرے پر مطلع ہونے کا ایک عجیب قصہ

دہلی کے مولوی اخلاق حسین قاسمی اسی شیخ الاسلام نمبر میں بیان کرتے ہیں کہ حاجی محمد حسین گزک والے دہلی کے پنجابی برادری کے رئیس تھے۔ وہ حافظ قرآن بھی تھے لیکن انھیں قرآن اچھا یاد نہیں تھا۔ ایک بار کسی موقع پر مولوی

حسین احمد صاحب نے انھیں حافظ صاحب کہہ کر پکارا، اب اس کے بعد کا واقعہ خود حاجی صاحب کی زبانی سنیے۔ بیان کرتے ہیں:-

"حضرت کی زبان مبارک سے حافظ صاحب کا لفظ سن کر سناٹے میں آ گیا دل میں شرمندہ ہوا اور خیال آیا مجھے قرآن کریم اچھا یاد نہیں ہے یہ حضرت نے کیا فرما دیا، یہ خیال لے کر میں اندر جا کر بیٹھ گیا، بیٹھتے ہی حضرت نے فرمایا، حافظ صاحب میرا ذہن بھی خراب ہے بھورے رنگ کی ایک خاص چڑیا ہوتی ہے وہ کھایا کیجئے ذہن اچھا ہو جائے گا۔"

(شیخ الاسلام نمبر ص۱۰۳)

اس واقعہ کا سب سے عبرت ناک حصہ مولوی اخلاق حسین قاسمی کا وہ تاثر ہے جو انھوں نے اس واقعہ کی بابت ظاہر کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:-

"راقم کہتا ہے حاجی صاحب کے دل میں جو خیال گذرا، حضرت مدنی کی قوت ایمانی نے اسے محسوس کر لیا، اسے اصطلاح میں کشف قلوب کہتے ہیں۔" (ایضاً)

یہ سوال دہرانے کے لیے ہمیں اس سے زیادہ اور کوئی موزوں جگہ نہیں مل سکتی کہ دل کے چھپے ہوئے خطرے کو محسوس کرنے والی یہ قوت ایمانی ان حضرات سے کہیں خود پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر موجود تھی یا نہیں؟ اگر موجود تھی تو عقیدے کی یہ زبان کس کے تذلیل استعمال کی گئی ہے:-

"اس بات میں بھی ان کو کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ صاحب نے غیب دانی ان کے اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کے احوال جب چاہیں معلوم کریں۔" (تقویۃ الایمان ص۳)

اب ایمان و دیانت کے اس خون کا انصاف میں آپ ہی کے ضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ دیوبندی مذہب کے مطابق جو قوتِ ایمانی خدا نے اپنے پیغمبر کو نہیں بخشی وہ دیوبند کے شیخ الاسلام کو کیونکر حاصل ہوگئی۔

غیبی قوت ادراک اور باطنی تصرف کا ایک اور ایمان شکن واقعہ

اب غیبی قوتِ ادراک اور باطنی تصرف کا ایک نہایت سنسنی خیز واقعہ سُنیئے:۔

مولوی حسین احمد صاحب کے ایک مرید ڈاکٹر حافظ محمد زکریا نے اسی شیخ الاسلام نمبر میں اپنی ایک آپ بیتی نقل کی ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ ان کے ایک پیر بھائی سخت بیمار ہوئے، حالت نہایت سنگین ہوگئی اب اس کے بعد کا واقعہ خود موصوف ہی کی زبانی سُنیئے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے آنکھیں پتھرا گئی ہیں، آثارِ مرگ بظاہر نمایاں ہیں یہ منظر دیکھ کر میں پریشان اور بے چین ہوگیا، کہ ناگہاں مریض رفتہ رفتہ

اپنا ہاتھ اُٹھا کر کسی کو سلام کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے کہ حضرت یہاں تشریف رکھیے، کچھ ہی دیر بعد اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے والد وغیرہ سے کہتا ہے کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے، جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تو یہاں تشریف فرما نہیں تھے۔ وہ حیرت سے کہتا ہے کہ حضرت تو تشریف لائے تھے اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اچھے ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں (ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں) کہ ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا ہوں کہ بخار ایک دم غائب ہے اور وہ بالکل تندرست اچھا ہے۔" (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۳)

اب اس کے بعد واقعات کے مرتب مولوی سلیمان اعظمی فاضل دیوبند کا یہ بیان خاص توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے:

"جامت کہتا ہے کہ حضرت شیخ کی یہ ادنیٰ کرامت ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے منتسبین (مریدین) سے کیسا گہرا تعلق ہوتا تھا۔"

(ص ۱۶۳)

کیا سمجھے آپ؟ دراصل یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "حضرت شیخ" کی تشریف آوری کا واقعہ اس مریض کے واہمہ کا کوئی تصرف نہیں تھا بلکہ حقیقتاً "حضرت شیخ" اس کے پاس تشریف لائے تھے اور چشم زدن میں شفایاب کر کے چلے گئے۔

ایک لمحے کے لیے ذرا خالی الذہن ہو کر سوچیے کہ اس واقعہ کے ضمن میں کتنے سوالات ہم

اُٹھا رہے ہیں۔

پہلا سوال تو یہی ہے کہ اگر مولوی حسین احمد صاحب کو علمِ غیب نہیں تھا تو انھوں نے سینکڑوں میل کی مسافت سے یہ کیونکر معلوم کر لیا کہ ہمارا فلاں مُرید علالت کے سنگین مرحلے سے گزر رہا ہے فوراً چل کر اس کی مدد کی جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس مریض کے پاس وہ خواب میں نہیں بلکہ عین بیداری کی حالت میں تشریف لائے اور وہ بھی ایک لطیف پیکر میں کہ اُس مریض کے سوا آس پاس کے تمام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔ آخر جیتے جی یہ روح کی طرح ایک لطیف پیکر اُنہیں کہاں سے مل گیا۔؟

اور پھر شفا بخشی کی ذرا یہ قوت کرشمہ ساز بھی دیکھئے کہ اُدھر مسیحا نے ہاتھ پھیرا اِدھر بیمارِ نیم جاں نے آنکھیں کھول دیں۔

دیوبندی مذہب میں اگر ان چیزوں کا نام خدائی تصرف نہیں ہے تو صاحب تقویۃ الایمان نے سیاہ لکیروں کے ذریعہ خدائی اختیارات کی جو تصویر کھینچی ہے۔ وہ تصویر کس کی ہے۔؟

پھر انصاف و دیانت کی یہ کتنی دردناک پامالی ہے کہ جیسی قوتِ انکشاف اور تصرف واختیار کا جو عقیدہ دیوبندی حضرات کے نزدیک رسولِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ثابت شدہ نہیں ہے۔ وہی ان کے شیخ کی ادنیٰ کرامت ہے۔

آوازدو غیرتِ حق کو! وہ کہاں مرگئی!

(۷)

ایک اور تہلکہ خیز کہانی

غیبی قوت ادراک اور باطنی تصرفات کی اس سے بھی زیادہ ایک تہلکہ خیز کہانی ملاحظہ فرمایئے :۔

دیوبندی رہنما مفتی عزیز الرحمن بجنوری نے "انفاس قدسیہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو مدینہ بکڈپو بجنور سے شائع ہوئی ہے، وہ کتاب مولوی حسین احمد صاحب کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں مولوی احمد حسین صاحب کے کسی مرید کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جو اسے آسام کے ایک پہاڑی علاقے میں پیش آیا تھا۔ اب پوری کہانی انہی کے الفاظ میں سنیئے :۔

" بالی ندی مولوی بازار کے ایک صاحب آزادی سے قبل ڈھاکہ سے شیلانگ بذریعہ موٹر جارہے تھے۔ صوبہ آسام کا اکثر حصہ پہاڑی ہے اس میں موٹر یا بس چلنے کا جو راستہ ہے وہ بہت تنگ ہے فقط ایک گاڑی جا سکتی ہے، دو کی گنجائش نہیں۔ یہ صاحب حضرت کے مرید تھے جب نصف راستہ طے ہوگیا تو دیکھا کہ سامنے سے ایک گھوڑا بڑے زور سے آرہا ہے۔ اس شخص اور دیگر تمام حضرات کو خطرہ پیدا ہوا کہ اب کیا ہوگا موٹر روک لی۔ لیکن اس کے باوجود بھی بڑی تشویش ہوئی کیونکہ گھوڑا پر سوار بڑی تیزی سے دوڑا آرہا تھا۔

راوی کا کہنا ہے کہ اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر یہ مرشد ہوتے دعا کرتے۔ ابھی اتنا سوچا تھا کہ حضرت شیخ گھوڑے کی لگام پکڑ کر

ہیں تو نقد و نظر کی ساری صلاحیتوں کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور یہ تک بھول جاتے ہیں کہ ہم نے کب کیا فتویٰ اور فیصلہ دیا تھا۔ خود ہم نے اور ہمارے معتمد بزرگوں نے کس قدر شدومد سے ساتھ شرک اور سنت و بدعت کے کیا کیا عقدے کھولے ہیں۔

بات تلخ ہے مگر سو فیصدی درست کہ دیوبندی مکتب فکر کے خمیر میں بھی مدنی تقلید اور مسلکی تعصبات کی اچھی خاصی مقدار گندھی ہوئی ہے۔ اس مکتب کا کم و بیش ہر عام پہلے دن سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ کسی نے قرآن کو پوری طرح سمجھا ہے تو وہ ہمارے فلاں شیخ التفسیر ہیں۔ اگر علم حدیث کی تہہ تک کوئی پہنچا ہے تو وہ ہمارے فلاں شیخ الحدیث پہنچے ہیں۔ اگر ولایت و نبوت اور طریقت و تصوف کے اسرار و معارف پر کسی نے عبور حاصل کیا ہے تو وہ ہمارے فلاں فلاں شیوخ ہیں۔ اس خوش فہمی کے ساتھ یہ عقیدہ بھی دلوں میں جاگزیں کر دیا گیا ہے کہ وہ محفوظ عن الخطا بھی ہیں۔ معصوم تو اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ایک عامی بھی عصمت کو انبیاء کا مخصوص وصف سمجھتا ہے مگر محفوظ کی اصطلاح کا سہارا ہے کہ وہ عملاً انہیں معصوم ہی تصور کیے ہوئے ہیں ان کا پختہ خیال ہے کہ ان کا ہر بزرگ زہد و تقویٰ کے علاوہ عقل و دانش میں بھی بقراط و ارسطو سے کسی طرح کم ہرگز نہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مولانا حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے رد مودودیت کی بسم اللہ کی تو اب سارے متوسلین اور ارباب حلقہ اور اہل تعلق پر واجب ہو گیا کہ یہی راگ مسلسل الاپے جائیں اور ایک ایک اعتراض و الزام کا جواب خواہ کتنی ہی قوت اور معقولیت کے ساتھ دے دیا گیا ہو مگر ضد اور اندھی تقلید کے تقاضے سے بے تکان وہی گڑھے گڑھائے نعرے اور ڈھلی ڈھلائی چرب زبانیاں نشر کیے جائیں۔

خیر مولانا مودودی کا اور ان حضرات کا فیصلہ تو ان شاء اللہ اب یوم حشر میں ہوگا۔

کہیں غائب ہو گئے۔“ (انفاس قدسیہ ص ۱۲)

کہاں دیوبند اور کہاں آسام کی پہاڑی! درمیان میں سیکڑوں میل کا فاصلہ! لیکن دل میں خیال گذرتے ہی ”حضرت“ وہاں چشم زدن میں پہنچ گئے اور گھوڑے کی لگام تھام کر بجلی کی طرح غائب ہو گئے۔

سیکڑوں میل کے فاصلے سے دل کی زبان کا استغاثہ انھوں نے سن لیا، ورنہ سن ہی نہیں لیا بلکہ وہیں سے یہ بھی معلوم کر لیا کہ واقعہ کہاں درپیش ہے اور صرف معلوم ہی نہیں کر لیا بلکہ چشم زدن میں وہاں پہنچ بھی گئے اور پہنچ ہی نہیں گئے بلکہ اسپ صبا رفتار کی لگام پکڑ کر غائب بھی ہو گئے۔

اب حق پرستی کا نشان دنیا سے اگر مٹ نہیں گیا ہے تو تصویر کے پہلے رخ میں دیوبندی مذہب کے جو اقتباسات نقل کیے گئے ہیں انہیں سامنے رکھ کر فیصلہ کیجیے کہ مولوی حسین احمد صاحب کی غیبی چارہ گری کا یہ قصہ کیا یہ اثر نہیں چھوڑتا کہ ان حضرات کے یہاں شرک کی یہ ساری بحثیں صرف انبیاء و اولیا کی حرمتوں سے کھیلنے کے لیے ہیں ورنہ خالص عقیدۂ توحید کا جذبہ اس کے پیچھے کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی یہ تفریق کیوں روا رکھی جاتی ہے۔

غور فرمایئے! یہ سارے واقعات وہ ہیں جو غیبی ادراک اور تصرف کی وہ قوت چاہتے ہیں جسے دیوبندی حضرات کے نزدیک کسی مخلوق میں تسلیم کرنا شرک ہے لیکن مبارک ہو! کہ ”شیخ“ کی محبت میں یہ شرک بھی انھوں نے اپنے حلق کے نیچے اتار لیا۔

بالعجب! کہ دیوبند کے یہ بت تراش آذر آج توحید کے دعویدار بنے ہوئے ہیں۔

وفات کے بعد لحد سے نکل کر دوست کے گھر آنا

یہ قصہ تو حضرت شیخ کی حیات ظاہری کا تھا کہ بجلی کی طرح چمکے اور غائب ہو گئے اور لوگوں نے ماتھے کی آنکھوں سے انھیں دیکھ بھی لیا۔ لیکن اب وفات کے بعد اپنی لحد سے نکل کر تشریف لانے کا ایک حیرت انگیز واقعہ سنیئے۔

کچھ عرصہ ہوا دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دار العلوم میں مولوی ابراہیم صاحب بلیاوی کی موت پر ایک نہایت سنسنی خیز خبر شائع ہوئی تھی مرض الموت کا عینی شاہد لکھتا ہے کہ جب مولوی ابراہیم صاحب کی موت کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا :۔

> "حضرت والد صاحب کھڑے ہیں تو ادب نہیں کرتا۔ حضرت مدنی کھڑے ہنس رہے ہیں اور بلا رہے ہیں۔ شاہ وصی اللہ صاحب آئے ہیں مجھ کو اٹھاؤ۔" (دار العلوم بابت مارچ ۱۹۶۷ء ص۳۷)

مولوی حسین احمد صاحب کو دیوبند کی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے کافی عرصہ گزر گیا اور شاہ وصی اللہ صاحب کا کیا کہنا کہ انھیں تو دفن ہونے کے لیے دو گز زمین بھی میسر نہیں آئی جہاز ہی سے وہ سمندر کی گود میں سلا دیئے گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان حضرات کو علم غیب نہیں تھا تو مولوی حسین احمد صاحب کو دیوبند کے گورستان میں اور شاہ وصی اللہ صاحب کو سمندر کی تہوں میں کیونکر خبر ہو گئی کہ مولوی ابراہیم پابہ رکاب ہیں۔ انھیں چل کر اپنے ہمراہ لایا جائے، اور پھر اتنا ہی نہیں

غیبی قوتِ ادراک کے ساتھ ساتھ اُن کے اندر حرکتِ ارادی کی یہ قدرت بھی تسلیم کر لی گئی کہ وہ عالمِ برزخ سے چل کر سیدھے مرنے والے کے بسترِ مرگ تک جا پہنچے اور اسے اپنے ہمراہ لیے ہوئے شہرِ خموشاں کی طرف واپس لوٹ گئے۔

ب ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ علم و ادراک اور قدرت و اختیار کا یہی عقیدہ ہم اپنے آقائے برحق سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں روا رکھتے ہیں تو دیوبند کے یہ "موحدین" ہمیں ابوجہل کے برابر مشرک سمجھنے لگتے ہیں۔

بھاگلپور سے ایک مرید کا بذریعہ مراقبہ جنازے میں شریک ہونا

اب تک تو بات چل رہی تھی خود حضرت "شیخ" کی لیکن اب اُن کے ایک مرید کی غیبی قوتِ ادراک کا کمال ملاحظہ فرمائیے۔

ضلع بھاگلپور کے کسی گاؤں میں حاجی جمال الدین نام کے کوئی مرید تھے۔ انھوں نے اسی شیخ الاسلام نمبر میں اپنے حضرت کی وفات کے بعد کا ایک حیرت انگیز قصہ بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ:-

"میں حضرت کے وصال کے بعد شبِ جمعہ کو (واضح رہے کہ "حضرت" کا انتقال جمعرات کے دن ہوا تھا) بارہ تسبیح سے فراغت کے بعد کچھ دیر مراقب ہو کر بیٹھ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا وصال ہو گیا ہے اور مجمع کثیر ہے اور حضرت کی نماز پڑھی جا رہی ہے، میں بھی ان لوگوں کو دیکھ کر نمازِ جنازہ میں شریک ہو گیا، اس کے بعد لوگ حضرت کو قبرستان کی طرف لے چلے۔" (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۳)

کتنا عجیب و غریب مراقبہ ہے کہ بغیر کسی "نامہ بر" کے حضرت کے وصال کی خبر بھی معلوم ہوگئی گھر بیٹھے بیٹھے آنکھوں سے جنازے کا مجمع بھی دیکھ لیا اور پلک جھپکتے وہاں پہنچ کر جنازے میں شریک بھی ہوگئے۔ واضح رہے کہ مراقبہ کی حالت خواب کی حالت نہیں ہوتی بلکہ عین بیداری کی حالت ہوتی ہے۔

اب ایک طرف بے حجاب مشاہدات اور خدائی تصرفات کا یہ کھلا ہوا دعویٰ ملاحظہ فرمایئے کہ درمیان کا حجاب اٹھانے کیلئے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی کوئی احتیاج نہیں پیش آئی اور دوسری طرف نبی اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں ان حضرات کے عقیدے کا یہ نوشتہ پڑھیئے کہ معاذ اللہ سرکار کائنات کو پس دیوار کی بھی خبر نہیں ہے اور ان کے علم و ادراک کا ہر گوشہ حضرت جبرئیل کا شرمندۂ احسان ہے۔

غیب دانی کے چند عجیب واقعات

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے اپنی کتاب "انفاس قدسیہ" میں اپنے "حضرت" کی غیب دانی سے متعلق دو عجیب و غریب واقعے نقل کیے ہیں۔ ذیل میں پڑھیے اور توحید پرستی کے مقابلے میں "شیخ پرستی" کے جذبے کی فراوانی کا تماشا دیکھیے:۔

پہلا واقعہ

لکھتے ہیں کہ:۔

> "رمضان المبارک کے موقعہ پر بارہا ایسا ہوا ہے کہ جس دن آپ سورہ انا انزلنا وتروں میں تلاوت فرماتے اسی دن شب قدر ہوتی تھی اور عید کی چاند رات کے بارے میں بھی بارہا تجربہ کیا ہے کہ جس دن

چاندرات ہوتی تھی حضرت اسی دن صبح سے عید کا انتظام شروع کر دیتے تھے اور ایک دن پیشتر قرآن شریف ختم کر دیتے تھے جب ۲۹ تاریخ ہوتی ہو۔ حضرت کے اس طریقے کی بنا پر حضرت کا ہر خانقاہی بتا سکتا تھا کہ آج چاندرات ہے۔" (انفاس قدسیہ صفحہ ۱۸۵)

جس دن آپ سورۂ انا انزلناہ ورد میں تلاوت فرماتے اسی دن شب قدر ہوتی تھی اس کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ آپ کے تلاوت فرما دینے کی وجہ سے چاروناچار اس دن کو شب قدر ہونا پڑتا تھا۔ جب بھی یہ مفہوم اپنی جگہ پر قطعی متعین ہے کہ آپ کو شب قدر کا علم ہو جاتا تھا۔ حالانکہ اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ شب قدر مخلوق کے درمیان ایک سرّ الٰہی کی طرح مستور رکھی گئی ہے۔ خود رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صراحت کے ساتھ اس کی تعیین نہیں فرمائی ہے لیکن دیوبند کے یہ "حضرات" اپنی غیبی قوت ادراک کے ذریعہ خدا کے حرم میں نقب ڈال کر یہ معلوم کر لیتے تھے کہ آج شب قدر ہے۔

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کئی دن پیشتر آپ پر یہ بھی منکشف ہو جاتا تھا کہ کس دن چاند نظر آئے گا اور پھر یہ علم اتنا یقینی ہوتا تھا کہ اپنے اسی علم کی بنیاد پر وہ خود بھی قبل از وقت عید کی تیاری شروع کر دیتے تھے اور ان کی خانقاہ کے درویشوں کو بھی چاندرات معلوم کرنے کے لیے آسمان کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

اپنے حضرت کے متعلق توحید کے علمبرداروں کا ذرا یہ ذہن ملاحظہ فرمائیے کتاب و سنت کی ساری ہدایات یہاں بے کار ہو گئیں اب صرف "حضرت" کا جذبۂ عقیدت ہے اور وہ ہیں۔

دوسرا واقعہ

لکھتے ہیں کہ:-

"مولوی اسحاق صاحب حبیب گنجی بیان فرماتے ہیں کہ ہر رمضان المبارک کے موقعہ پر آپ سلہٹ والوں کے اصرار پر سلہٹ تشریف لاتے تھے اس سلسلے میں سلہٹ کے ایک دوکاندار سے چندہ لینے کے لیے بات چیت ہوئی اس نے ترش روئی سے گیارہ روپے چندہ دیا اور یہ لفظ کہا کہ کب یہ ٹیکس ہے؟

بہر حال وصول شدہ چندے کی ایک رقم حضرت کے پاس بھیج دی گئی چند ہی روز بعد اس میں سے گیارہ روپے واپس آگئے اور کوپن پہ تحریر تھا کہ دوکاندار سے روپیہ لے کر روانہ کرنا مجھے پسند نہیں اس کو یہ روپیہ واپس دے دو۔" (انفاس قدسیہ ص۱۸۹)

اللہ اکبر! کہاں سلہٹ کہاں دیوبند! لیکن واقعہ کی نوعیت پڑھ کر بالکل ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس دوکاندار کی ترش روئی کا واقعہ بالکل "حضرت" کے سامنے پیش آیا ہو۔

یہ ہے جذبہ عقیدت کی کارفرمائی کہ جسے مان لیا، مان لیا۔

تیسرا واقعہ

دہلی کے مولوی عبدالوحید صدیقی نے "عظیم مدنی نمبر" کے نام سے اپنے اخبار نئی دنیا کا ایک نمبر شائع کیا تھا۔ موصوف نے اپنے اس نمبر میں مولوی حسین احمد صاحب کی غیب دانی

سے متعلق مرادآباد جیل کے دو واقعے نقل کیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"ایک دن حضرت کے نام پانوں کا پارسل آیا جس کا علم صرف بزجی صاحب (جیلر) کو ہی تھا اور کسی شخص کو نہ تھا۔ موصوف نے وہ پارسل بہ نظر احتیاط روک لیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد حسب معمول بارکوں کے معائنے کے لیے گئے۔ حضرت مدنی کے ساتھ اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب اور دیگر حضرات تھے جیسے ہی جناب بزجی صاحب حضرت کے سامنے آئے حضرت نے فرمایا کیوں صاحب! آپ نے میرا پانوں کا پارسل روک لیا ہے۔ خیر کچھ حرج نہیں، آج اس میں سے صرف ۲ پان دے دیجیے، پرسوں تک دوسرا پارسل آجائے گا۔

جناب بزجی کو بڑا تعجب ہوا کہ اس واقعہ کا علم حضرت کو کیسے ہوا موصوف نے چپکے سے پان لاکر حاضر کر دیئے۔ حضرت نے اس میں سے صرف چھ عدد پان لے لیے اور بقیہ واپس فرما دیئے۔ اور فرمایا کہ میرا پان پرسوں تک آئے گا اس کو نہ روکیے گا۔ تیسرے روز حسب ارشاد پانوں کا پارسل آیا اب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے شخص معلوم ہوتے ہیں۔"

(روزنامہ نئی دنیا دہلی کا عظیم مدنی نمبر ص۲)

اسے کہتے ہیں ایک تیر میں دو نشانہ! گزشتہ کا حال بھی بتا دیا کہ میرا پانوں کا پارسل آیا ہوا تھا کہ آپ نے روک لیا اور آئندہ کی بھی خبر دے دی کہ پرسوں تک میرا پانوں کا پارسل پھر آئے گا اسے نہ

روکیے گا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں سب سے بڑا ماتم اس سنگ دلی کا ہے کہ یہاں گذشتہ اور آئندہ کا علم تو خدا تک پہنچے ہوئے فقیر کی علامت ٹھہرا لی لیکن جس محبوب کی رسائی ذات کبریا تک بلا واسطہ ہوئی، وہاں یہ علامت تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔

چوتھا واقعہ

اسی جیل کا دوسرا واقعہ موصوف بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ابھی دنوں جیل میں مولانا کے نام کہیں سے کوئی خط آیا تھا جس پر محکمہ سنسر کی مہر لگی ہوئی تھی، جیلر نے وہ خط مولانا کو دیدیئے۔ انسپکٹر جنرل کی طرف سے باز پرس ہوئی اور اسی جرم میں جیلر کو معطل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد صاحب موصوف مولانا کی خدمت میں پہنچے دیکھتے ہی مسکرا کر مولانا نے فرمایا پان جو دیئے تھے اس سے معطل ہوئے پان نہ دیتے تو کیا ہوتا۔ ان کو سخت حیرت تھی کہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے کسی کو خبر تک نہیں انھیں کیونکر علم ہوا۔ انھوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو ارشاد فرمایا انشاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آجائے گا، تم مطمئن رہو۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ تھی۔ دوسرے دن ڈاک میں جو پہلی چیز ہاتھ میں آئی وہ معطلی کے حکم کی منسوخی اور بحالی تھی"

واقعہ سے سپرنٹنڈنٹ صاحب اور دیگر عہدیداران جیل حضرت کے معتقد ہو گئے۔" ("نئی دنیا" کا عظیم مدنی نمبر صفحہ ۲۰۸)

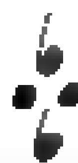
یہاں بھی ایک تیر میں دو نشانہ ہے۔ گزشتہ کی بھی خبر دیدی اور آئندہ کا بھی حال بتا دیا۔
یہ سوچ کر آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتا ہے کہ جس کمال کو اپنے شیخ کے حق میں کافروں کے معتقد ہونے کا ذریعہ تسلیم کیا گیا اسی کمال کو جب مسلمان اپنے نبی کے حق میں تسلیم کرتے ہیں تو یہ انھیں مشرک سمجھنے لگتے ہیں۔

چوتھا باب جو شیخ دیوبند مولوی حسین احمد صاحب کے حالات وواقعات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہو گیا۔

اب آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ "تصویر کے پہلے رُخ" میں جن اعتقادات کو ان حضرات نے انبیاء واولیا کے حق میں شرک قرار دیا تھا اپنے اور اپنے بزرگوں کے حق میں وہی اعتقادات عین اسلام کیونکر بن گئے۔

تصویر کے پہلے رُخ میں اپنے جن معتقدات کا اظہار کیا گیا ہے یا تو وہ باطل ہیں یا پھر تصویر کے دوسرے رُخ میں جو واقعات نقل کئے گئے ہیں وہ غلط ہیں۔ ان دونوں میں سے جو بات بھی قبول کی جائے مذہبی دیانت، دینی اعتماد اور علمی ثقاہت کا خون ضروری ہے۔

غیرتِ حق کا جلال اگر نقطۂ اعتدال کی طرف لوٹ آیا ہو تو ورق اُلٹیے اور پانچویں باب کا مطالعہ کیجیے۔



پانچواں باب

اکابرین دیوبند کے مرشد معظم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی کے بیان میں

اس باب میں

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب کے
متعلق مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی،
مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اور مولوی رشید احمد
صاحب گنگوہی وغیرہم کی روایات سے وہ واقعات و
حالات جمع کئے گئے ہیں۔ جو عقیدۂ توحید کے تقاضوں
سے تصادم، مذہب سے انحراف اور منہ بولے شرک
کو اپنے بزرگوں کے حق میں اسلام و ایمان بنا لینے کی
شہادتوں سے بوجھل ہیں چشم انصاف
کھول کر پڑھیے اور ضمیر کی آواز سننے کیلئے گوش بر
آواز رہیے!

مگر یہ کتاب زلزلہ جو نقد جواب طلب کر رہی ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونے کی صورت تحریر ہوگی۔ اگر کسی غلطی کو تسلیم کرتا تو ہمارے آج کے بزرگانِ دیوبند نے سیکھا ہی نہیں۔ مخصوص صرف یہ سیکھا ہے کہ اڑی کیے جاؤ اور کسی کی مت سنو۔ انشاء اللہ اس کتاب کے ساتھ بھی ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں ہوگا

اس کتاب نے ہمیں ہمارے بزرگوں کی جن محیر العقول کرامتوں سے آگاہ کیا ہے ان کو تو خیر کیا لیجیے ایک نادر اقتباس ہم یہاں ضرور نقل کریں گے جس نے ہمیں دیدۂ حیرت ہی کھول دیے۔

سید اسمٰعیل شہید کے بارے میں ہم یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کی راہ میں جان دی، اور آج بھی یقین رکھتے ہیں۔ مگر یہ ہمارے مرحوم و مغفور حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "نقشِ حیات" میں فرماتے ہیں۔

> "سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے۔ اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی، اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے"
>
> (نقشِ حیات ج ۲ صفحہ ۱۲ ۔ ۔ ۔ ۱۴)

سلسلۂ واقعات

(۱)

خبر رسانی کا ایک نیا ذریعہ

حضرت شاہ امداد اللہ صاحب سے متعلق ذیل کے اکثر واقعات "کراماتِ امدادیہ" نامی کتاب سے اخذ کیے گئے ہیں جو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہم کی روایات پر مشتمل ہے یہ کتاب کتب خانہ ہاشمی دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب کے ایک مرید مولانا محمد حسن صاحب اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک دن ظہر کے بعد میں اور مولوی منور علی اور ملا محب الدین صاحب کوئی ضروری بات عرض کرنے کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت حسب معمول اوپر جا چکے تھے، کوئی آدمی تھا نہیں کہ اطلاع کر دی جاتی، آواز دینا ادب کے خلاف تھا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ حضرت

کے قلب کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ جائیں بات کا جواب مل جائے گا یا حضرت خود تشریف لائیں گے۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ حضرت اوپر سے تشریف نیچے لائے ہم لوگوں نے معذرت کی اس وقت حضرت لیٹے ہوئے تھے ناحق تکلیف ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگوں نے لیٹنے بھی دیا کیونکر لیٹتا۔"

(کرامات امدادیہ ص۱۳)

دیکھ رہے ہیں آپ! مراقبہ ان حضرات کے یہاں خبر رسانی کا کتنا عام ذریعہ ہے جب چاہا اور جہاں چاہا، گردن جھکائی اور گفتگو کرلی یا حال معلوم کرلیا، نہ ادھر کوئی زحمت نہ ادھر کوئی سوال کہ دل کے مخفی ارادوں پر کیونکر اطلاع ہوئی، وائرلیس کی طرح ایک طرف سگنل دیا اور دوسری طرف وصول کرلیا۔

لیکن کتنی شرمناک ہے دین میں یہ پاسداری کہ اپنے اور اپنے "شیخ" کے سوال پر شرک کے سارے ضابطے لوٹ گئے۔ اور جو بات نبی و ولی کے حق میں کفر تھی وہی اپنے شیخ کے حق میں کیونکر اسلام بن گئی۔

(۲)

ایک مذہب شکن واقعہ

اب اور دلچسپ واقعہ سنئے!

مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی دیوبندی جماعت کے مانے ہوئے بزرگوں میں ہیں۔ تھانوی صاحب ان کی روایت سے اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ صاحب کا ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب مرحوم مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے اور شبہ تھا کہ مدینہ منورہ میں وفات ہو، حاجی صاحب سے استفسار کیا کہ میری وفات مدینہ منورہ میں ہوگی یا نہیں؟ حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں؟ عرض کیا حضرت! یہ عذر تو رہنے دیجئے جواب مرحمت فرمائیے۔ حاجی صاحب نے مراقب ہو کر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے۔" (قصص الاکابر ص ۱۳۰ مصنف مولوی اشرف علی تھانوی)

بتائیے! یہ آنکھوں سے لہو ٹپکنے کی بات ہے یا نہیں؟ نصف صدی سے یہ لوگ چیخ رہے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو علم نہیں کہ کون کہاں مرے گا۔ یہاں تک کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکار میں "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" والی آیت ان حضرات کی نوک زبان و قلم سے ہر وقت لگی رہتی ہے۔ حالانکہ وہ آیت اب بھی قرآن کریم میں موجود ہے لیکن اپنے شیخ کے بارے میں ان حضرات کی خوش عقیدگی ملاحظہ فرمائیے کہ انھوں نے مراقبہ کرتے ہی ایک ایسی بات معلوم کر لی جو صرف خدا کا حق ہے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی خدا نے یہ علم نہیں عطا فرمایا، جیسا کہ "فتح بریلی کا دلکش نظارہ" نامی کتاب میں دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

" وہ پانچ غیب جن میں مرنے کی جگہ کا علم بھی شامل ہے) اُن کو حق تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے، ان کی اطلاع نہ کسی مقرب فرشتے کو دی

نہ کسی نبی و رسول کو۔" (ص۸۵)

پھر مراقبہ اور قلبی توجہ کی یہ قوت جس نے چشم زدن میں پردۂ غیب کا ایک سربستہ راز معلوم کر لیا نبی عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں یہ حضرات تسلیم نہیں کرتے۔ جیسا کہ یہی تھانوی صاحب جو اپنے پیر و مرشد کے حق میں اس عظیم قوت انکشاف کے خود قائل ہیں۔ اپنی کتاب حفظ الایمان میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی قوت ادراک پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"بہت سے امور میں آپ کا خاص اہتمام سے توجہ فرمانا بلکہ فکر و پریشانی میں واقع ہونا ثابت ہے، قصۂ افک میں آپ کی تفتیش و انکشاف بابلغ وجوہ صحاح میں مذکور ہے مگر صرف توجہ سے انکشاف نہیں ہوا بعد ایک ماہ وحی کے ذریعہ اطمینان ہوا۔" (ص۷)

تھانوی صاحب کا یہ بیان اگر صحیح ہے تو بظاہر اس کی دو ہی وجہ سمجھ میں آتی ہیں کہ یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی قوت ادراک معاذ اللہ اتنی کمزور تھی کہ مخفی حقائق کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر رہ گئی یا پھر معاذ اللہ بارگاہ خداوندی میں انھیں تقرب کا وہ درجہ حاصل نہیں تھا کہ توجہ کرتے ہی انکشاف ہو جاتا اور ایک ماہ فکر و پریشانی میں مبتلا رہنے کی نوبت نہ آتی۔ اور پھر اس قسم کا حادثہ ایک بار نہیں پیش آیا کہ اسے اتفاق پر محمول کر لیا جائے بلکہ تھانوی صاحب کے کہنے کے مطابق بہت سے امور میں اس طرح کے حالات سے حضور کو گزرنا پڑا۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ اپنے رسول کے حق میں ذہن کی بیگانگی اور نیم کی بیزوئی کا کیا اس سے بھی بڑھ کر اور کوئی ثبوت چاہیے کہ اپنے شیخ کے علم کی تحسین اور رسول کے علم کی تنقیص دونوں کا مصنف ایک ہی شخص ہے اور پھر اس واقعہ میں حسن اعتقاد کا سب سے دلچسپ تماشا تو یہ ہے کہ جب شاہ صاحب نے قرآن کی آیت کے بموجب اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو اس پر وہ خاموش نہیں ہو گئے بلکہ یہ کہہ کر کہ یہ عذر تو رہنے دیجیے" ان کی غیب دانی کے متعلق اپنے دل کے یقین کا بالکل نقاب الٹ دیا۔

اب اس کا فیصلہ آپ ہی کیجیے کہ بالکل ایک ہی طرح کے مقدمہ میں ان حضرات کے یہاں سوچنے کا انداز اپنے اور بیگانے کی طرح کیوں ہے ؟

(۲)

روئے زمین کے علم محیط کا ایک عجیب واقعہ

اب ایک بہت ہی پر لطف اور حیرت افزا قصہ سنیئے۔ شاہ صاحب کے خاص مریدوں میں مولوی محمد اسمٰعیل نامی ایک صاحب گذرے ہیں۔ کرامات امدادیہ میں وہ اپنے بھائی کی زبانی عجیب وغریب واقعہ نقل کرتے ہیں کہ :۔

"میں نے اپنے برادر معظم حاجی عبدالحمید صاحب سے سنا ہے کہ ایک دفعہ مولوی محی الدین صاحب فرماتے تھے کہ چونکہ حضرت حاجی صاحب عرصہ دراز سے بوجہ ضعف بدن کے حج کرنے سے معذور تھے ہم نے ایک دوست سے کہا کہ آج خاص یوم عرفات (یعنی یوم حج ہے) دیکھنا چاہیے کہ حضرت کہاں ہیں ؟ انھوں نے مراقب ہو کر دیکھا کہ حضرت جبل عرفات

کے نیچے تشریف رکھتے ہیں۔ ہم لوگوں نے بعد کو عرض کیا کہ آپ یوم عرفات میں کہاں تھے؟ حضرت نے کہا کہیں بھی نہیں مکان پر تھا۔ ہم لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ تو فلاں جگہ تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نے فرمایا یا اللہ! لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہنے دیتے۔" (کرامات امدادیہ ص۲)

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ شاہ صاحب نے غلط طور پر کہہ دیا کہ وہ مکان پر تھے اس لیے شاہ صاحب کو غلط بیانی کے الزام سے بچانے کے لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اس دن وہ مکان پر بھی تھے اور جبل عرفات کے نیچے بھی۔

لیکن اپنے شیخ کے حق میں دل کی وارفتگی کا یہ تصرف یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک وجود کو متعدد مقامات میں موجود تصور کرتے ہوئے نہ انہیں عقل کا کوئی تحول نظر آیا ورنہ قانون شریعت کی کوئی خلاف ورزی محسوس ہوئی اور پھر داد دیجیے ان مشاہدہ کرنے والوں کو جو گھر بیٹھے سارا جہان چھان آئے اور بالآخر جبل عرفات کے نیچے اپنے شیخ کو پا لیا۔ سے کہتے ہیں علم و ادراک کی غیبی توانائی جو خانقاہ امدادیہ کے درویشوں کو تو حاصل ہے لیکن دیوبندی مذہب میں سید الانبیاء کو حاصل نہیں ہے۔

اور شاہ صاحب کا یہ جواب کہ "یا اللہ لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہنے دیتے۔" مریدین و متوسلین کی غیب دانی کے ثبوت کے لیے ایک الہامی دستاویز سے کم نہیں ہے۔

ایمان کی ان جلیل شہادتوں کو گواہ بنا کر کہیے کہ حق و باطل کی منزل کا امتیاز محسوس کرنے کے لیے کیا اب بھی کسی مزید نشانی کی ضرورت باقی ہے؟

(۴۱)

عقیدۂ توحید سے ایک خونریز تصادم

نگاہ پر توجہ نہ ہو تو عقیدۂ توحید کے ساتھ خونریز تصادم کا ایک واقعہ پڑھیئے۔ اسی کرامات امدادیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ان ہی شاہ صاحب کے ایک مرید کسی بحری جہاز سے سفر کر رہے تھے ایک تلاطم خیز طوفان میں جہاز گھر گیا۔ قریب تھا کہ موجوں کے ہولناک تصادم سے اس کے تختے پاش پاش ہو جائیں۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود راوی کی زبانی سُنیئے! لکھا ہے کہ:۔

"انھوں نے دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیرِ روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اس وقت سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مُطلق ہے۔ اسی وقت آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔

.....

اِدھر تو یہ قصہ پیش آیا، اُدھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر میں نہایت درد کرتی ہے، خادم نے دباتے دباتے پیراہن مبارک جو اُٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اُتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے۔ کمر کیوں کر چھلی، فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا۔ حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں

ے گئے۔ فرمایا: ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اس میں ایک تمہارا دینی سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا۔ جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی، اُسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے۔ مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔" (کرامات امدادیہ ص۱۸)

قبیلے کے شیخ کی غیبی قوت ادراک اور خدائی اختیار و تصرف کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ہزاروں میل کی مسافت سے دل کی زبان کا خاموش استغاثہ سن لیا۔ ورسن ہی نہیں لیا بلکہ فوراً ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ سمندر کی ناپیدا کنار وسعتوں میں حادثہ کہاں پیش آیا ہے اور معلوم ہی نہیں کر لیا بلکہ چشم زدن میں وہاں پہنچ بھی گئے اور جہاز کو طوفان سے نکال کر واپس لوٹ آئے۔ لیکن وائے رے دل حرماں نصیب کی شرارت! کہ رسول کونین کے حق میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:۔

" یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت! تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا ہے اس واسطے کہ اُن سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کرائی ہے، یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو مانگنے کی رُو سے شرک نہیں ثابت ہوا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔" (تقویۃ الایمان ص۲۴)

لیکن یہاں تو مانگنا بھی ہوا اور پکارنا بھی، دونوں شرک جمع ہو جانے کے باوجود توحید پران حضرات کی اجارہ داری اب تک قائم ہے اور ہم صرف اس لیے مشرک ہیں کہ یہی عقادت کو وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں روا رکھتے ہیں۔ انہی کو رسول کونین، شہید کربلا، غوث جیلانی اور خواجہ خواجگان چشت کے حق میں اپنے جذبۂ عقیدت کا معمول بنا لیا ہے۔ اسی کا نام اگر شرک ہے تو اس الزام کا ہم صمیم قلب کیساتھ خیر مقدم کرتے ہیں کہ ساری اُمت کا مسلک یہی ہے۔

یہ پانچواں باب جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب تھانوی کے حالات و واقعات پر مشتمل تھا یہاں پہنچ کر تمام ہو گیا۔

تصویر کے دونوں رخوں کا منصفانہ جائزہ لینے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ ان حضرات کے یہاں دو طرح کی شریعتیں متوازی طور پر چل رہی ہیں۔ ایک تو انبیاء و اولیاء کے حق میں ہے اور دوسری اپنے بزرگوں کے حق میں!

ایک ہی عقیدہ جو پہلی شریعت میں کفر ہے، شرک ہے اور ناممکن ہے۔ وہی دوسری شریعت میں اسلام ہے، ایمان ہے اور امر واقعہ ہے۔

ضمیر کا یہ چیختا ہوا مطالبہ اب کسی مصلحت کے اشارے پر دبایا نہیں جا سکتا کہ دو مزاجوں کا اسلام ہرگز وہ اسلام نہیں ہو سکتا جو خدا کے آخری پیغمبر کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے

غیرت حق کا جلال اگر نقطۂ اعتدال کی طرف واپس لوٹ آیا ہو تو ورق الٹیے اور اس طلسم فریب کے عجائبات کا باقی حصہ بھی دیکھ لیجئے۔

حسرتِ دید کی آنکھوں کو نہ شکوہ رہ جائے
صبح کیساتھ چلو شام بھی ان کی دیکھیں

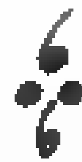
☆

چھٹا باب

متفرقات کے بیان میں

اس باب میں

دیوبندی جماعت کے مختلف مشاہیر
اکابر کے حالات وواقعات انھی حضرات کے لٹریچر
سے جمع کیے گئے ھیں۔ جن میں عقیدۂ توحید سے
تصادم، اپنے مذھب سے انحراف اور منہ بولے شرک
کو اپنے حق میں اسلام وایمان بنالینے کی سازشوں کے
ایسے نمونے آپ کو ملیں گے کہ آپ
حیران وششدر رہ جائیں گے!



اس "برزدا" کے مرتب نے جو ریمارک دیا وہ یہ ہے :-

> "آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے لشکر کے متعلق سوائے اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضاکاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا۔" صہ ۱۴۲

ہم کتنی ہی جانبداری سے کام لیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں لفظ تلخی آگئی ہے لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے۔ کوئی افترا ہے، کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استاد محترم حضرت مدنی کے ارشاد گرامی کو درست مان لیا جائے تو حضرت شہیدین کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے۔ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے نکالنے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں۔ اس نصب العین پر کافر و مومن سب یکساں ہیں۔ اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا اجر آخرت کا موجب کیوں ہوگا۔

مولانا مودودی نے تصوف کو "چنیا بیگم" لکھ دیا تھا۔ تنقید یقیناً حد درجہ تلخ بھی۔ دھر

سلسلہ واقعات

مولوی محمد یعقوب صاحب صدر مدرس مدرسہ دیوبند کا قصہ

کشف وغیب دانی کی ایک طویل داستان

روزنامہ الجمعیتہ دہلی نے "خواجہ غریب نواز نمبر" کے نام سے ایک نمبر شائع کیا ہے۔ اس میں قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے قاری صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اوّلین صدر مدرس تھے۔ نہ صرف عالم ربانی بلکہ عارف باللہ اور صاحب کشف وکرامت اکابر میں سے تھے۔ ان کے بہت سے مکشوفات اکابر مرحومین کی زبانی سننے میں آئے ہیں۔ حضرت مولانا پر جذب کی کیفیت تھی اور بعض دفعہ مجذوبانہ انداز سے جو کلمات زبان سے نکل جاتے تھے وہ من وعن واقعات کی صورت میں سامنے آجاتے تھے

دارالعلوم دیوبند کی درسگاہِ کلاں موسوم بہ نودرہ کے وسطی ہال میں حضرت مرحوم کی درسگاہ حدیث تھی۔ نودرہ کے وسطی در کے سامنے والی ایک جگہ کے بارے میں فرمایا کہ جس کی نماز جنازہ اس جگہ ہوتی ہے وہ مغفور ہوتا ہے۔ (یعنی بخش دیا جاتا ہے)۔

خواجہ غریب نواز نمبر ۵

یہ تو ایک دیوانے کی بات تھی لیکن اب دانشوروں کے ایمان و یقین کا عالم ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"عموماً اس وقت دارالعلوم میں جتنے جنازے متعلقین دارالعلوم یا شہر کے حضرات کے آتے ہیں اسی جگہ لاکر رکھے جانے کا معمول ہے احقر نے سیمنٹ سے اس جگہ کو مشخص (ممتاز) کرادیا ہے۔ (ص۵)

بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لیے کسی وقت کی تخصیص یا ذکر و بیان کے لیے کسی دن کے تعین پر تو یہ حضرات بدعت و حرام کا شور مچاتے ہیں لیکن یہاں اُن سے اب کوئی نہیں پوچھتا کہ جنازے کی نماز تو دارالعلوم کے سارے احاطوں میں ہو سکتی ہے لیکن ایک خاص جگہ کی تخصیص اور اس پر عملدرآمد کا یہ اہتمام کیا بدعت نہیں ہے؟"

بہرحال ضمنی طور پر درمیان میں یہ بات نکل آئی، اب پھر اسی سلسلۂ بیان کی طرف متوجہ ہو جایئے۔ فرماتے ہیں:۔

...ں مجذوبیت کے سلسلہ میں مولانا کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ

میں ناقص رہ گیا ہوں۔ حضرت پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ تو مکہ میں ہیں وہاں جانا مشکل ہے لیکن میری تکمیل دونوں بزرگ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے بار بار ان سے فرماتے کہ بھائی میری تکمیل کراؤ۔ یہ حضرات جواب دیتے کہ اب آپ میں کوئی کمی نہیں ہے اور جتنی کچھ بھی ہے سو وہ مدرسۂ دیوبند میں حدیث پڑھانے ہی سے پوری ہو جائے گی۔ اس لیے آپ درس حدیث میں مشغول رہیں، یہی درس آپ کی تکمیل کا ضامن ہے۔ اس پر خفا ہوتے کہ یہ دونوں بخل کرتے ہیں۔ سب کچھ لیئے بیٹھے ہیں اور میرے حق میں بخل کر رہے ہیں۔

(ص ۵)

اس کے بعد لکھا ہے کہ ادھر سے مایوس ہو جانے کے بعد انھوں نے اجمیر شریف حاضری کا ارادہ کر لیا کہ خواجہ غریب نواز کے حضور میں اپنی تکمیل کر سکیں۔ چنانچہ ایک دن وہ اسی جذبۂ شوق میں اٹھے اور اجمیر شریف کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے روضۂ خواجہ کے قریب ایک پہاڑی پر اپنی کٹیا بنائی اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔

لکھا ہے کہ اکثر مزار شریف پر حاضر ہو کر دیر تک مراقب رہتے ایک دن مراقبے میں حضرت خواجہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔

”آپ کی تکمیل مدرسۂ دیوبند میں حدیث پڑھانے ہی سے ہو گی۔ آپ وہیں جائیں اور ساتھ ہی حضرت خواجہ کا یہ مقولہ بھی منکشف ہوا کہ آپ کی عمر کے دس سال رہ گئے ہیں اس میں یہ تکمیل ہو جائے گی۔ (ص ۶)

لکھا ہے کہ اس واقعہ کے دوسرے ہی دن وہ اجمیر سے واپس ہوئے اور سیدھے اپنے وطن مالوف نانوتہ پہنچے۔ وہاں سے پھر گنگوہ کا قصد کیا۔ حضرت گنگوہی حسبِ معمول اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے خبر دی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب آرہے ہیں۔ حضرت نام سنتے ہی چارپائی سے کھڑے ہو گئے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود قاری صاحب موصوف کی زبانی سنیئے۔ لکھا ہے کہ:۔

> "جب مولانا محمد یعقوب صاحب قریب آگئے تو بلا کسی گفتگو کے سلام علیک کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا: "ہم پہ کچھ احسان نہیں ہے ہم پہ کچھ احسان نہیں ہے۔" خدام بھی تو وہی بات کہہ رہے تھے جو حضرت خواجہ نے فرمائی ہے۔ مگر چھوٹوں کی کون سنتا ہے؟ جب اوپر سے بھی وہی کہا گیا جو خدام عرض کیا کرتے تھے تب آپ نے قبول فرمایا۔"
>
> (خواجہ غریب نواز نمبر ص)

مذہبی مزاج کے خلاف ہونے کے باوجود یہ واقعہ صرف اس لیے باربار گیا ہے کہ اس سے مدرسۂ دیوبند کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، ورنہ جہاں تک خواجہ غریب نواز کے روحانی اقتدار و غیبی تصرف پر یقین و اعتماد کا تعلق ہے تو یہ حضرات نہ صرف یہ کہ اس کے منکر ہیں بلکہ اس کے خلاف جہاد کرنا اپنے دین کا اولین فریضہ سمجھتے ہیں جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اس طرح کے کئی حوالے آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

بہرحال کسی بھی جذبے کے زیر اثر یہ واقعہ معرضِ قرطاس پر آیا ہو ہم قاری صاحب موصوف سے چند سوالات پر اپنے دل کا اطمینان ضرور چاہیں گے۔

پہلی بات تو یہی ہے کہ خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اگر علم غیب نہیں تھا تو انھیں کیونکر معلوم ہو گیا کہ دیوبند میں ایک مدرسہ ہے جہاں حدیث کا درس دیا جاتا ہے اور مولوی محمد یعقوب وہاں سے درس حدیث چھوڑ کر ہمارے یہاں آئے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ انھیں یہ خبر کیوں کر ہو گئی کہ آنے والا منازل سلوک کی تکمیل کے لیے آیا ہے اور اس کی تکمیل یہاں نہیں ہو گی، مدرسۂ دیوبند میں ہو گی۔

اور تیسری بات تو نہایت تعجب خیز ہے کہ انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کی عمر کے دس سال باقی رہ گئے ہیں اور اس مدت میں تکمیل ہو جائے گی۔

اور چوتھی بات تو سب سے زیادہ حیرت انگیز ہے کہ مراقبہ میں جو بات خواجہ غریب نواز نے مولوی یعقوب صاحب سے فرمائی تھی بغیر کسی اطلاع کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو اس کی خبر کیونکر ہو گئی۔؟ لیکن سب سے بڑا ماتم تو اس ستم ظریفی کا ہے کہ اتنے شرکیات کے ساتھ مصالحت کرنے کے باوجود یہ حضرات توحید کے اجارہ دار ہیں اور ہمارے لیے مشرک، قبر پرست اور بدعتی کے القاب تراشے گئے ہیں۔ لیکن آستینوں سے لہو ٹپکنے کے بعد قتل کا چھپانا بہت مشکل ہے۔

(۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے قصے

شکم مادر سے غیبی ادراک

مولوی حافظ رحیم بخش صاحب دہلوی نے "حیات ولی" کے نام سے حضرت شاہ صاحب قبلہ کی سوانح حیات لکھی ہے اس میں ان کی ولادت سے قبل کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ

نقل کیا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ :۔

"ابھی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب والدۂ محترمہ کے بطن مبارک ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک دفعہ (اُن کے والد بزرگوار) جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی موجودگی میں ایک سائلہ آئی۔ آپ نے روٹی کے دو حصے کر کے ایک اُسے دیا اور ایک رکھ دیا۔

لیکن جونہی سائلہ دروازہ تک پہنچی شیخ صاحب نے دوبارہ بلایا اور بقیہ حصہ بھی عنایت کر دیا اور جب وہ چلنے لگی تو پھر آواز دی اور جس قدر روٹی گھر میں موجود تھی سب دے دی۔ اس کے بعد گھر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پیٹ والا بچہ بار بار کہہ رہا تھا کہ جتنی روٹی گھر میں ہے سب اس محتاج مسکین کو راہِ خدا میں دے دو۔"

(حیاتِ ولی ص۲۹۷)

گویا شاہ صاحب بطن مادر ہی سے دیکھ رہے تھے کہ روٹی کا ایک حصہ بچ کر گھر میں رکھ لیا گیا ہے اور جب ان کے کہنے پر باقی حصہ بھی ان کے والد نے دے دیا تو اسے بھی انھوں نے دیکھ لیا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ گھر میں ابھی اور روٹیاں رکھی ہوئی ہیں جب ان کے کہنے پر سب کا سب دے ڈالا تب وہ خاموش ہوئے۔

رسولِ عربی کے علم و مشاہدہ پر تو سیکڑوں سوالات اٹھائے جاتے ہیں لیکن یہاں کوئی نہیں پوچھتا کہ ایک جنین بچے کے سر میں وہ کون سی آنکھ تھی جس نے پردۂ شکم سے دیوار و در گھر کے برتنوں میں شگاف ڈال کر سارا چھپا ہوا حال دیکھ لیا۔

(۳۱)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا قصہ

زمین کی وسعتیں احاطۂ نظر میں

خود شاہ صاحب کی زبانی حیاتِ ولی کا مصنف ان کے والد ماجد کی غیبی قوتِ ادراک کا ایک عجیب و غریب قصہ نقل کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"ایک دفعہ محمد قلی، اورنگ زیب کے لشکر میں کسی سمت روانہ ہوا تھا۔ چونکہ زمانۂ دراز تک اس کی کوئی خبر عزیز و اقربا کو نہیں ملی اس لیے اس کی اس مفقود الخبری نے بالخصوص اس کے برادر محمد سلطان کو سخت بے چین کر دیا اور جب وہ بہت ہی بے تاب ہوا تو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ اس گمشدہ کی خبر دیں۔

"شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے توجہ کی اور ہر چند کہ اسے لشکر کے ایک ایک خیمے میں ڈھونڈا لیکن کہیں سراغ نہ ملا۔ اموات کے زمرے میں تلاش کیا وہاں بھی پتہ نہ لگا۔ ازاں بعد میں نے لشکر کے اردگرد غور میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھا معلوم ہوا کہ غسل صحت پا کر نشتری (مجبوری) رنگ کے لباس زیب بدن کیے ہوئے ایک کرسی پر جلوہ آرا ہے اور وطن مالوف میں آنے کا تہیہ کر رہا ہے، چنانچہ میں نے اس کے بھائی سے بیان کیا کہ محمد قلی زندہ ہے اور دو تین مہینے

میں آیا چاہتا ہے۔ چنانچہ جب وہ آیا تو بجنسہ یہی قصہ بیان کیا۔"

(حیات ولی ص۲۷)

اب آپ ہی ایمان وانصاف سے فیصلہ کیجئے کہ یہ واقعہ پڑھنے کے بعد کیا کسی بھی رُخ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ زمین کی وسعتوں میں یہ جادہ پیمائی، اور لشکر میں پہنچکر ایک ایک خیمے کی خانہ تلاشی، پھر وہاں سے مُردوں کے ڈھیر کی چھان بین، پھر ارد گرد کے میدانوں میں جستجو۔ یہ ساری مہم انھوں نے وہاں جاکر نہیں بلکہ دہلی میں بیٹھے بیٹھے غیبی قوت ادراک کی مدد سے انجام دی تھی۔ لیکن سرپیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ غیبی قوت ادراک اور روحانی تصرف کا جو کمال یہ حضرات ایک ادنیٰ اُمتی کے لیے بے چون وچرا تسلیم کر لیتے ہیں اسی کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شرک کہتے ہوئے انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کا قصہ

(۴)

کشف وغیب دانی کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ

دیوبندی جماعت کا معتمد راوی شاہ امیر خاں نے شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے کشف وغیب دانی کے متعلق اپنی کتاب ارواح ثلاثہ میں ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو شاہ عبدالقادر صاحب اوّل روز تراویح میں ایک سپارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا چاند ہونے

والا ہوتا تو اول روز دو سپارے پڑھتے۔

چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے شاہ عبدالعزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے سپارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا، یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت رویت نہ ہونے کی وجہ سے رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔

اس میں مولوی محمود حسن صاحب (دیوبندی) یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دہلی میں اس قدر مشہور ہوگئی تھی کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہوگئے۔"

(ارواح ثلاثہ صد ۴۹)

حکایت واقعہ کی عبارت چیخ رہی ہے کہ یہ صورت حال کسی ایک رمضان کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ بالالتزام ہر رمضان المبارک میں انھیں ایک ماہ قبل ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا۔

اور مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی کا یہ کہنا کہ "اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہوگئے"، اس امر کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ ان کا کشف کبھی غلط نہیں ہوتا تھا اب آپ ہی انصاف سے کہیئے! یہ آنکھوں سے لہو ٹپکنے کی بات ہے یا نہیں؟ کہ گھر کے بزرگوں کو تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ ہر سال بالالتزام وہ ایک ماہ قبل ہی چھپی ہوئی بات معلوم کر لیتے تھے لیکن رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ان کے عقیدے

کی یہ صراحت گزر چکی کہ ایک ماہ کی طویل مدت میں بھی وہ معاذ اللہ چھپی ہوئی بات نہیں معلوم کر سکے۔

(۵)

غیبی قوت ادراک کی ایک اور حیرت انگیز کہانی

الٰہی خان صاحب نے ارواح ثلاثہ میں شاہ عبدالقادر صاحب کا ایک اور واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"اکبری مسجد جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے اُس کے دونوں طرف بازار تھا، اور مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں، ان میں ایک سہ دری میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔

بازار سے آنے جانے والے آپ کو سلام کیا کرتے تھے۔ سو اگر سُنّی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے تھے اور شیعہ سلام کرتا تو اُلٹے ہاتھ سے جواب دیتے تھے۔ یہ بیان کر کے مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا: میں کیا؟ کہہ دوں اَلْمُؤمِنُ یَنظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ۔ (یعنی مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" (ارواح ثلاثہ ص۵۵)

"اَلْمُؤمِنُ یَنظُرُ بِنُورِ اللّٰہِ" کا فقرہ بتا رہا ہے کہ شیعہ اور سُنّی کے درمیان یہ امتیاز کسی ظاہری علامت کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ اسی غیبی قوتِ ادراک کے ذریعہ تھا جس کی تعبیر مولوی

سے اوجھل ہو گیا۔ آج تک ہمارے مشائخ نے انہیں معروف تسلیم کیا ہے لیکن بشر کے علاوہ اس کی توجیہ آخر کیا کریں گے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی یا حضرت مولانا اشرف علی جیسے بزرگ جب فتوے کی زبان میں بات کرتے ہیں تو ان تمام باتوں کو مثلاً شرک کفر و بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں جن کا تعلق غیب کے علم اور روحانی تصرف اور تصور شیخ اور استمداد و استدراج جیسے امور سے ہے لیکن طریقت و تصوف کی زبان میں کلام کرتے ہیں تو یہی سب چیزیں عین امر و تعین کمال ولایت اور علامت بزرگی بن جاتی ہیں

اگر ہم فرض کریں کہ ان بزرگوں کی طرف دیگر مصنفین نے جو کچھ منسوب کر دیا ہے وہ مبالغہ آمیز ہے۔ غلط ہے۔ حقیقت سے بعید ہے تو بے شک ان بزرگوں کی حد تک ہمیں اعتراض سے خلاصی مل جائے گی لیکن یہ دیگر مصنفین کون ہیں تو علمائے دیوبند ہی ہیں ان کی یہ کتابیں آج بھی متعلقین دیوبندیت بڑے ذوق و شوق سے تلاوت فرمائی جاتی ہیں اور کسی ایک کے منہ کی زبان پر یہ اعلان ہو سکا نہیں کہ ان خرافات سے ہم براءت ظاہر کرتے ہیں۔ براءت کیا معنی ہمارے موجودہ بزرگ بھی الٹا یہی کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں علم غیب وغیرہ روحی اور تصرفات روحانی اور کشف و الہام کے جو کمالات ہمارے مرشدین کی طرف منسوب ہیں وہ بالکل حق ہیں۔ سچے ہیں۔ پھر آخر اس اعتراض کی صورت کیا ہے؟

ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو خود تذکرۃ الرشید، رشیدیہ، فتاوٰی امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو جو سرے سے رکھ کر آگ دے دی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ارواح ثلثہ وغیرہ تاریخی اور صرف سوانح جیسی کتابوں سے معلوم کرنے چاہئیں۔ یا پھر ان متاخر اکابر کی کتابوں کے بارے

عبدالقیوم صاحب نے "نورالٰہی" سے کی ہے۔

حکایت واقعہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اُن کے ہر روز کا معمول تھا اور جب تک سہ دری میں بیٹھے رہتے، کشف احوال کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے حق میں تو کشف احوال کی یک دائمی اور ہمہ وقتی قوت تسلیم کرلی گئی ہے۔ جو قوت بینائی کی طرح اُنہیں ہر وقت حاصل رہا کرتی تھی۔ لیکن شرم سے منہ چھپا لیجئے کہ نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کشفِ احوال کی یہی دائمی اور ہمہ وقتی قوت تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کا عقیدۂ توحید مجروح ہوجاتا ہے اور شرک کے غم میں یہ شب و روز سلگتے رہتے ہیں۔

(۶)

کشف ہی کشف

ان ہی شاہ عبدالقادر صاحب کی غیب دانی سے متعلق تھانوی صاحب کی کتاب اشرف التنبیہ کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے، لکھا ہے کہ :۔

> "مولوی فضل حق صاحب شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے۔ شاہ صاحب بڑے صاحبِ کشف تھے اور اس خاندان میں آپ کا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جس روز مولوی فضل حق صاحب کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لے جاتے گو پہنچنے سے پہلے خود لے لیتے، شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہوجاتا تھا، اُس روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لے جاتے تو

حضرت کو کشف ہوجاتا اور اس روز سبق پڑھاتے تھے۔ جامع کہتا ہے:

پیش اہل دل نگہدارید دل ؛ تا نباشد از گمان بد خجل

(ارواح ثلاثہ صہ ۵)

اب ذرا اس کے ساتھ اسی خاندان کے شاہ اسمٰعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی پڑھ لیجئے عقیدہ و عمل کا تصادم واضح طور پر محسوس ہوجائے گا۔

"یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں، کوئی کشف کا دعویٰ رکھتا ہے کوئی استخارہ کے عمل سکھاتا ہے۔۔۔ یہ سب جھوٹے ہیں اور دغاباز۔" (تقویۃ الایمان صہ ۲۳)

علمائے دیوبند کے معتمد شاہ عبدالقادر صاحب بھی ہیں اور شاہ اسمٰعیل دہلوی بھی، اب اس امر کا فیصلہ انہی کے ذمے ہے کہ ان دونوں میں کون جھوٹا ہے اور کون سچا ہے؟

ہمیں تو یہاں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ بات ایک دن کی نہیں تھی بلکہ ہر روز نہیں کشف ہوتا تھا اور کتنی ہی دیواروں کے حجابات کے اوٹ سے وہ ہر روز دیکھ لیا کرتے تھے کہ کتاب کون لے کر آرہا ہے اور کس نے کہاں سے اپنے ہاتھ میں لے لی ہیں۔ لیکن یہاں ہمیں اتنی بات کہنے کی اجازت دے دی جائے کہ اپنے نبی کے حق میں علمائے دیوبند کے دلوں کی کدورت یہیں سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اپنے گھر کے بزرگوں کی نگاہوں پر تو دیواروں کا کوئی حجاب وہ حائل نہیں مانتے لیکن رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں آج تک وہ اصرار کر رہے ہیں کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا جیسا کہ گزشتہ

اوراق میں اس کا حوالہ آپ کی نظر سے گزر چکا ہے۔

(۷)

حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی کا قصہ

قبر میں دل لگی بازی کا ایک واقعہ

یہی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی جماعت کے ایک بزرگ حافظ محمد ضامن صاحب کی قبر کے متعلق ایک نہایت دلچسپ قصہ بیان کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ:۔

"ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں؟ بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مُردہ پر پڑھیو۔ یہاں زندوں پر پڑھنے آئے ہو۔؟"

(ارواح ثلاثہ ص۲۰۳)

ذرا اندازِ بیان کی یہ بے ساختگی ملاحظہ فرمایئے۔!

عالمِ غیب کا پردہ اٹھا کر جس سے چاہنا بات کر لینا اور جب چاہنا جھانک کر وہاں کا حال معلوم کر لینا کسی اور کے لیے مشکل ہو تو ہو لیکن ان حضرات کے لیے تو گویا شب و روز کا معمول ہے اور مُردوں کی تاریخ میں شاید یہ پہلا دل لگی باز مردہ ہے جس نے فاتحہ پڑھنے کو منع کر کے رحمت و ثواب سے اپنے استغناء کا اظہار کیا ہے۔

واقعہ کا یہ رُخ بھی محسوس کرنے کے قابل ہے کہ اپنے مُردوں کی بڑائی ثابت کرنے

کے لیے یہ لوگ کیسے کیسے زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہیں لیکن اہل اسلام کے بزرگوں کو عاجز وحقیر ثابت کرنے کے لیے ان کے قلم کی نوک کتنی زہر آلود ہو جاتی ہے۔

(۸)

سید احمد صاحب بریلوی کا قصّہ

جسم ظاہری کے ساتھ حضور انور کا تشریف لانا اور سیّد احمد بریلوی کو نیند سے جگانا

تبلیغی جماعت کے سربراہ مولوی ابوالحسن علی صاحب ندوی نے سید احمد صاحب بریلوی کے متعلق اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہید" میں اُن کا ایک عجیب قصہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:

"ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں، مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی داہنی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ احمد جلد اٹھ اور غسل کر۔

سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت صلی اللہ

سید صاحب نے فرمایا کہ ... میں مشغول ہو ...

مناجات کر رہا ہے ... دونوں حضرات تشریف لے گئے۔

(... سید احمد شہید ...)

حد ہوگئی ... کی ... جیسا ... جس نے ساری زندگی

خدمت ہندوستانی مسلمانوں کے ... اپنے ... کی نسبت

... ثابت کرنے کے لیے ... کا سہارا لینا پڑا۔

... کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ ... میں حضور

... تشریف لائے ... حضرت ... ثابت نہیں

کرتا ... تسلیم کرنا ... صاحب ... نے ... دیا ہے۔

پس اگر حضور کو علم غیب نہیں تھا تو انہیں کیونکر معلوم ہوا کہ سید احمد ...

ہے اور ... مقام پر سو رہا ہے۔ پھر اگر حضور ... کی قدرت نہیں تھی تو ...

... سے ... کی طرف کیونکر ... تشریف لائے۔ ...

... آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ... میں نہیں ...

... سید صاحب غسل سے

فارغ ہو گئے۔

... حضور کی جانب ...

... نسبت ...

... خود

... کے نسب کی

برتری کا کیا عالم ہو گا۔؟

(۹)

ایک نہایت لرزہ خیز کہانی

مولوی اسماعیل دہلوی نے انہی سید احمد بریلوی کی عظمت و برتری ثابت کرنے کے لیے اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں ایک نہایت لرزہ خیز قصہ بیان کیا ہے جس کا اردو میں ترجمہ یہ ہے :۔

"حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحوں کے درمیان ایک مہینے تک اس بات پر جھگڑا چلتا رہا کہ دونوں میں کون سید احمد بریلوی کو روحانی تربیت کے لیے اپنی کفالت میں لے دونوں بزرگوں کی روحوں میں سے ہر ایک روح کا اصرار تھا کہ وہ تنہا میری نگرانی میں عرفان و سلوک کی منزل طے کریں۔

بالآخر ایک مہینے کی آویزش کے بعد اس بات پر دونوں میں مصالحت ہوئی کہ مشترک طور پر دونوں یہ خدمت انجام دیں گے۔ چنانچہ ایک دن دونوں حضرات کی روحیں ان پر جلوہ گر ہوئیں اور پوری قوت کے ساتھ تھوڑی دیر تک ان پر عرفان توجہ کا عکس ڈالا۔ یہاں تک کہ تنے ہی وقفے میں انہیں دونوں سلسلوں کی نسبتیں حاصل ہو گئیں۔"

(صراط مستقیم فارسی ص۔۔)

دیوبندی مذہب کے پیش نظر اس قصے کی صحت تسلیم کر لینے کی صورت میں کئی سوالات ذہن کی سطح پر ابھرتے ہیں۔ اولاً یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تحقیق کے مطابق جب

یہ جھوٹے بھی کسی میں غیب دانی کی قوت نہیں ہے تو حضرت غوث الثقلین و حضرت خواجہ نقشبند کی روح طیبات کو کیونکر خبر ہوگئی کہ ہندوستان میں سید احمد بریلوی نامی ایک شخص خدا کا مقرب بندہ ہے جس کی روحانی تربیت کا اعزاز اس قابل ہے کہ اس طرف سبقت کیجائے۔

ثانیاً یہ واقعہ عالم شہادت کا نہیں بلکہ سارا عالم غیب کا ہے۔ اس لیے مولوی اسمٰعیل دہلوی جو اس واقعہ کے خود راوی ہیں انھیں کیونکر علم ہوا کہ سید احمد بریلوی کی کفالت و تربیت کے لیے ان دونوں بزرگوں کی روحیں ایک مہینے تک آپس میں جھگڑتی رہیں اور بالآخر اس بات پر مصالحت ہوئی کہ دونوں مشترک طور پر اپنی کفالت پر راضی۔

ثالثاً یہ کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کے مطابق جب خدا کے سوا سارے انبیاء و اولیاء بھی عاجز و بے اختیار بندے ہیں تو وفات کے بعد حضرت غوث الوریٰ اور خواجہ نقشبند کا یہ عظیم تصرف کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ دونوں بزرگ بغداد سے سیدھے ہندوستان کے اس قصبے میں تشریف لائے جہاں سید احمد صاحب بریلوی مقیم تھے اور ان کے حجرے میں پہنچ کر چشم زدن میں انھیں باطنی عرفانی دولت سے مالا مال کر دیا۔

نیز واقعہ کے انداز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ باتیں خواب کی نہیں بلکہ عالم بیداری کی ہیں۔ اس لیے اب واقعہ کی تصدیق اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ تقویۃ الایمان کے موقف سے ہٹ کر اولیائے کرام کے حق میں غیبی ادراک اور قدرت و تصرف کے عقیدے کی صحت نہ تسلیم کر لی جائے۔

دیوبندی علماء کی مذہبی فریب کاریوں کا یہ تماشا اب پس پردہ نہیں ہے کہ نگاہ کی گرفت سے بچ سکے۔ ان حضرات کا یہ ایمان سوز کردار وقت کا اشتہار بن چکا ہے کہ ایک جگہ وہ انبیاء و اولیاء کے واقعی فضائل و کمالات کا یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ انہیں تسلیم کر لینے

سے عقیدۂ توحید کی سلامتی پر ضرب پڑتی ہے اور دوسری جگہ اس ضرب کو گھر کے بزرگوں کی برتری ثابت کرنے کے لیے پوری بشاشت قلب کے ساتھ گوارا کر لیتے ہیں۔

(۱۰)

مولوی اسماعیل دہلوی کا قصہ

غیب دانی اور شفا بخشی کا دعویٰ

مولوی اسماعیل دہلوی مصنف "تقویۃ الایمان" کے کشف اور باطنی تصرفات سے متعلق ارواح ثلاثہ میں امیر شاہ خاں نے ایک نہایت دلچسپ قصہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"میرے استاد میاں جی محمدی صاحب کے صاحبزادے حافظ عبدالعزیز ... ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطبا نے جواب دے دیا۔ ان کے والدین کو اس درجہ سے تشویش تھی۔ اتفاق سے میاں جی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے ہیں، اور میں مسجد کے اندر ہوں اور میرے پاس عبدالعزیز بیٹھا ہے۔ اتفاق سے اسے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور میں اسے پیشاب کرنے چلا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے اور طرف کو راستہ نہ تھا اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی تھی اس لیے میں اسے مولوی اسماعیل صاحب کی طرف لیکر گیا۔ جب عبدالعزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انھوں نے تین مرتبہ یا شافی پڑھ کر اس پہ دم کر دیا۔ اس خواب کے بعد جب آنکھ کھلی

تو انھوں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبد العزیز اچھا ہو گیا۔ جس نے اس
وقت ایسا خواب دیکھا ہے۔ صبح ہوئی تو میاں عبد العزیز بالکل
تندرست تھے۔" (ارواح ثلاثہ ص ۸۶)

اب اسے یہ بھی وقت ہی کہیے کہ جو شخص ساری زندگی انبیاء کے علم غیب کے خلاف جنگ کرتا رہا اسی کو مرنے کے بعد غیب داں بنا دیا گیا۔ کیوں کہ ان حضرات کے تئیں انہیں اگر علم غیب نہیں تھا تو انہیں خواب میں کیونکر معلوم ہوا کہ عبد العزیز بیمار ہے اسے دم کیا جائے۔

اور خواب دیکھنے والے کا جذبۂ عقیدت بھی کتنا یقینی ہے کہ آنکھ کھلتے ہی بی بی کو جگا کر خوش خبری بھی سنا دی کہ بیٹا اچھا ہو گیا۔ اور سچ مچ صبح تک بیٹا اچھا بھی ہو گیا۔

اسے کہتے ہیں غیب دانی اور عشق و شیفتگی کا عقیدہ جو ان حضرات کے یہاں انبیاء و اولیاء کے حق میں تو شرک ہے لیکن مولوی اسمٰعیل دہلوی کے حق میں عین اسلام بن گیا ہے۔

(۱۱)

مولوی محمود الحسن صاحب کا قصہ

مذہبی انحراف کی ایک شرمناک کہانی

دیوبندی جماعت کے شیخ الحدیث مولوی اصغر حسین صاحب نے اپنی کتاب حیات شیخ الہند میں مولوی محمود الحسن صاحب کے متعلق ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"۱۳۳۳ھ کے اخیر میں دیوبند میں شدید طاعون ہوا، چند طلباء بھی مبتلا

ہوئے۔ ایک فارغ التحصیل طالب علم محمد صالح ولایتی جو صبح و شام میں سند فراغت لے کر وطن رخصت ہونے والے تھے اس مرض میں مبتلا ہوئے اور حالت آخری ہوگئی۔

وفات سے کسی قدر پہلے انھوں نے ایسی گفتگو شروع کی کہ گویا شیطان سے مناظرہ کر رہے ہیں۔ اس کے دلائل کو توڑتے اور اپنے استدلال پیش کرتے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں نے مناظرہ میں شیطان کو بخوبی شکست دیدی۔

پھر کہنے لگے افسوس اس جگہ کوئی ایسا خدا کا بندہ نہیں ہے جو مجھ سے اس خبیث کو دفع کرے۔ یہ کہتے کہتے دفعۃً بول اٹھے کہ واہ! واہ! سبحان اللہ! دیکھو میرے استاد حضرت مولانا محمود الحسن صاحب تشریف لائے دیکھو وہ شیطان بھاگا۔ ارے خبیث کہاں جاتا ہے؟ ایک ساعت کے بعد طالب علم کا انتقال ہوگیا۔ حضرت مولانا اس واقعہ کے وقت وہاں موجود نہ تھے۔ مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی۔

(حیات شیخ الہند ص۱۹۷)

اخیر میں یہ اضافہ کرکے کہ "حضرت مولانا اس واقعہ کے وقت وہاں موجود نہ تھے۔ مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی" بالکل واضح کردیا ہے کہ اس طالب علم کو جو واقعہ پیش آیا وہ اس کے واہمہ کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ فی الواقع مولوی محمود الحسن صاحب اس کی امداد کے لیے غیبی طور پر وہاں پہنچ گئے تھے۔

مگر حیرت ہے کہ دیوبند کی عقل نکتہ پرداز یہاں کوئی سوال نہیں اٹھاتی کہ جب

میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تو محض قصے کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب و یابس سے بھری ہوئی ہیں۔ اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں۔

"زیربحث" کے مصنف نے ناچیز تبصرہ نگار کا بھی ایک اقتباس تجلی سے دیا ہے:

> ان لوگوں کو اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہیے جو یہ لغو ترین اور احمقانہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا۔

الحمدللہ ہمیں اس اقتباس پر کوئی پچھتاوا نہیں، نہ ہمیں دفاع کی ضرورت ہے دفاع کی ضرورت تو اس وقت ہوتی جب ہم نے بھی دیوبندی بزرگ کے لیے ایسے قول یا حال کی توثیق کی ہوتی جس سے ہمارے اس عقیدے پر حرف آتا۔ مگر بحمدللہ ہمارا دامن اس سے پاک ہے ہم ہرگز ان لوگوں میں نہیں ہیں جو شخصیت پرستی میں مبتلا ہوں ہم ارواح ثلاثہ اور سوانح قاسمی جیسی کتابوں کو ذرا بھی مقدس نہیں سمجھتے!

البتہ یہ وضاحت ہم کر دیں کہ اس اقتباس میں ہم نے کیا کہنا چاہا ہے۔ ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ "علم غیب" ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں حواس خمسہ کے دائرۂ عمل سے باہر ہوں انہیں بغیر کسی وسیلے اور ذریعہ کے جانا۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماکان وما یکون کا علم تھا۔ یعنی ازل سے لے کر ابد تک ہر شئی کا علم تھا۔ کچھ

وہ وہاں موجود نہیں تھے تو نہیں کیونکر خبر ہوگئی کہ ایک طالب علم عالم سکرات میں شیطان سے مناظرہ کر رہا ہے اور خبر بھی ہوئی تو بجلی کی طرح انہیں قوت پرواز کہاں سے مل گئی کہ چشم زدن میں وہاں آموجود ہوئے۔

دراصل کلیجہ پھٹنے کی بات یہی ہے کہ یہاں غیب دانی بھی ہے اور قدرت و اختیار بھی لیکن چونکہ "اپنے مولانا" کی بات ہے اس لیے نہ یہاں عقیدۂ توحید مجروح ہوا اور نہ کتاب وسنت سے کوئی تصادم لازم آیا۔

لیکن اسی طرح کا عقیدہ اگر ہم سرکار غوث الوریٰ یا خواجہ غریب نواز، کسی نبی یا ولی کے حق میں روا رکھیں تو دیوبند کے یہ موحدین ہماری جان و ایمان کے درپے ہو جاتے ہیں۔

(۱۲)

جناب مولوی عبدالرشید صاحب رانی ساگری کے واقعات

جناب مولوی عبدالرشید صاحب رانی ساگری دیوبندی جماعت کے ایک علاقائی پیر ہیں۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف جس کے امیر مولوی شاہ منت اللہ صاحب رحمانی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند ہیں اس کے ترجمان اخبار نقیب نے "مصلح امت نمبر" کے نام سے مولوی عبدالرشید صاحب رانی ساگری کے حالات میں ایک ضخیم نمبر شائع کیا ہے ذیل کے جملہ واقعات اسی نمبر سے ماخوذ ہیں۔

اپنے مذہبی معتقدات کا دردناک قتل

مولوی شمس تبریز خاں صاحب قاسمی کے حوالے سے مولوی عبدالرشید صاحب رانی ساگری کی عام غیب دانی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ:۔

"مجلس میں اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی شخص مولانا سے کچھ سوالات کرنے والا ہوتا مگر آپ سوال سے پہلے ہی جواب دیدیتے تھے۔ ایک بار ایک نوجوان سے صبح کے وقت ملے اور بلا کچھ معلوم کیے ہوئے سلسلہ گفتگو میں انھیں نصیحت کی کہ نماز صبح ہرگز قضا نہ ہونی چاہیئے، وہ سمجھ گئے کہ آج نماز قضا ہوئی ہے یہ اشارہ کشفی اسی کی طرف ہے۔

اسی طرح کلٹی (بردوان) مجلس میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عورتیں آئیں گی پردہ کرائیے۔ چنانچہ دوسرے ہی لمحہ عورتوں کی دستک سنائی دی۔" (نقیب کا مصلح امت نمبر ص۵)

دل کے خطرات پر مطلع ہونے کا معمول تو تھا ہی، گذشتہ اور آئندہ کا علم بھی انھیں حاصل تھا۔ جبھی تو ایک طرف فوت شدہ نماز صبح کی خبر دی تو دوسری طرف آنے والی عورتوں کا بھی حال بتا دیا۔

(۱۳)

غیب دانی سے متعلق نیازمندوں کی خوش عقیدگی کا ایک عبرت انگیز واقعہ

اب انھی رانی ساگری صاحب کی غیب دانی سے متعلق نیازمندوں کی خوش عقیدگی کا ایک اور قصہ ملاحظہ فرمائیے :-

مدرسہ رشید العلوم چترا ضلع ہزاری باغ کے صدر مدرس مولوی وصی الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نماز جمعہ کے بعد حضرت کے حجرے میں داخل ہوا تو دیکھ

[illegible] پیشانی پر بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آج میں آپ کو بہت مغموم پا رہا ہوں کیا کوئی بات ہوئی ہے۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود واقعہ نگار کی زبانی سنیئے۔ لکھتے ہیں کہ:-

حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ پاکستان میں دو بہت بڑے حادثے ہوگئے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ایک ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوگیا ہے جس میں پاکستان کے کئی ذمہ دار حضرات انتقال فرما گئے۔

مولانا وصی الدین احمد صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس پر حیرت و استعجاب ہوا کہ آپ کو اخباری دنیا سے بے تعلقی ہے آخر اطلاع کیسے ہوئی اُن سے رہا نہ گیا۔ بالآخر پوچھ ہی لیا کہ حضور آپ کو کس طرح اطلاع پہنچی؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہاں اخبار میں خبر ہے دیکھو تو اخبار آیا ہوگا۔ میں نے اس پر کہا کہ اخبار تو ابھی آیا بھی نہیں ہے اور حضرت! ابھی تو ڈاک کا وقت بھی نہیں ہوا ہے۔ بہر حال مولانا وصی الدین باہر نکلتے ہیں کہ ڈاکیہ آرہا ہے۔

اس واقعہ میں حضرت کے دو انکشاف ظاہر ہوئے۔ پہلا کشف علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال اور ہوائی جہاز کا حادثہ اور دوسرا تازہ کشف ڈاکیہ کے اخبار لے کر آنے کا۔ چنانچہ جب دیکھا گیا کہ یہ دونوں حادثات جلی سُرخیوں میں چھپے ہوئے تھے

اس سے پہلے کسی اخبار میں نہ یہ تذکرہ آیا تھا اور نہ اس وقت ریڈیو کا عام
رواج جیز ا ہیں تھا جس کے ذریعہ خبر ملتی۔" (تعقیب کا مصلح امت نمبر ش ۱)

اس واقعہ میں زاویہ نگاہ کی ایک خاص چیز ملاحظہ فرمایئے:

واقعہ نگار نے جگہ جگہ اس طرح کے فقرے بڑھا کر "آپ کو اخباری دنیا سے بے تعلقی بے آخر طرح کیسے ہوئی؟" "اخبار تو ابھی آیا بھی نہیں ہے" "حضرت! ابھی تو ڈاک کا وقت بھی نہیں ہوا۔" "اس سے پہلے نہ کسی اخبار میں یہ تذکرہ آیا تھا اور نہ اس وقت ریڈیو کا عام رواج جیز ا میں تھا۔" سارا زور قلم اس بات پر صرف کیا ہے کہ کسی طرح ثابت ہو جائے کہ آپ کو علم غیب تھا۔ لیکن یہی دیوبندی علما جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے متعلق کسی واقعہ پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایک سطر اس کوشش کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ ثابت کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا حضرت جبرئیل امین خبر دیتے تھے۔

زاویہ نگاہ کا یہ فرق جس جذبے پر مبنی ہے اسے نہ بھی ظاہر کیا جائے جب بھی اپنی جگہ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

(۱۴)

اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ

ابھی رائی ساگری صاحب کا ایک دلچسپ لطیفہ اور سنیئے۔ موصوف کے ایک اور مرید مولوی شہاب دین رشیدی نقیب کے اسی مصلح امت نمبر میں ایک عجیب و غریب واقعہ کے راوی ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ:

مجھ سے میرے محترم دوست اور حضرت کے خویش مولانا الحاج اشرف علی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ایک امیر زادہ نوجوان شخص تھے۔ ان کی زندگی بہت ہی لاابالی پن میں گذری۔ ان کا جب انتقال ہوگیا تو میں ایک دن قبرستان گیا تو اس شخص کو دیکھا کہ قبر میں ننگا بیٹھا ہے اور بہت ہی حسرت ویاس کے عالم میں ہے۔ میں جب قریب پہنچا تو اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی ستر دونوں ہاتھوں سے چھپالی میں نے اس سے کہا کہ اسی لیے نہ میں تجھے کہتا تھا لیکن تو نے اپنی زندگی لاپرواہی میں گزار دی اور میری باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔"

(نقیب پھلواری کا مصلح امت نمبر ص۱۰۹)

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعہ انہیں کسی مردہ کے ساتھ نہیں بلکہ زندہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور عالم برزخ کا نہیں بلکہ عالم دنیا کا ہے اور واقعہ عالم برزخ ہی کا ہے تو ماننا پڑے گا کہ عالم غیب کے ساتھ ان حضرات کا تعلق بالکل گھر اور آنگن کا ہے۔ عالم غیب کا کوئی پردہ ان کی نگاہوں پر حائل نہیں ہے۔ جدھر نگاہ اٹھی غیب کی چیزیں خود بخود بے نقاب ہوگئیں۔ انصاف کیجئے! ایک طرف تو اپنے بزرگوں کی قوت انکشافات کا یہ حال بیان کیا جاتا ہے اور دوسری طرف سید الانبیاء کے حق میں آج تک ادا کرتے ہیں کہ انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔

(۱۵)

کاروبار عالم میں تصرف کا واقعہ

کاروبار عالم میں ان حضرات کے اقتدار اور

خود مختار تصرف کا تماشا دیکھنا چاہتے ہوں تو اس کتاب کا یہ آخری قصہ پڑھیے انہی رائی ساگری صاحب کی صاحبزادی تامنہ خاتون کی یادداشت سے نقیب کے اسی مصلح امت نمبر میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ موصوفہ بیان کرتی ہیں کہ:۔

"جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب قبلہ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے پاخانہ میں ہاتھ لگا۔ وہ زمانہ برسات کا تھا لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی۔ دھان کی روپئی ہو چکی تھی۔ کسان سخت پریشان تھے۔ میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ بارش کے لیے دعا فرما دیجئے۔ بہت لوگ پریشان ہیں، فصل کو خطرہ ہے۔ والد صاحب مسکرانے لگے اور پھر فرمایا، بارش کیسے ہوگی؟ اپنا پاخانہ جو بن رہا ہے خراب ہو جائے گا۔

میں نے پوچھا کب تک پاخانہ بن جائے گا؟ بولے دیوار مکمل ہو گئی ہے رات کو چھت کی ڈھلائی ہو جائے گی، میں خاموش ہو گئی۔ دو دن بعد خوب زوردار بارش شروع ہو گئی۔ والد صاحب گھر ہی پر تھے میں نے پوچھا۔ بارش ہونے لگی اب تو پاخانہ میں نقصان ہوگا۔ فرمانے لگے نہیں جی۔ اب تو فائدہ ہوگا۔ میں نے پوچھا تو کیا پاخانے ہی کے لیے بارش رکی ہوئی تھی؟ والد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا نہ مسکراتے رہے۔ اس وقت والد صاحب تندرست تھے۔"

(نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۲)

اس واقعہ کے بیان سے جس عقیدے کا اظہار مقصود ہے وہ یا تو یہ ہے کہ انہیں اس بات

کا علم تھا کہ بارش بھی نہیں ہوگی اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ بارش کیوں رکی ہوئی ہے؟

پھر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کاروبارِ ہستی میں ان کی ذاتی خواہش اتنی دخیل اور مؤثر تھی کہ اگرچہ زمین کا سینہ تپتا رہا، فصل جلتی رہی اور کاشتکاروں کی آہیں بابِ رحمت پر سر پٹکتی رہیں لیکن جب تک اُن کا پاخانہ تیار نہیں ہوگیا بارش کو چار و ناچار رکنا پڑا۔ "بارش کیسے ہوگی" کا فقرہ بھی واضح طور پر اس رخ کو متعین کرتا ہے کہ انھوں نے جب تک نہیں چاہا بارش نہیں ہوئی۔

اب آپ کی غیرتِ ایمانی اخلاص و وفا کی منزل سے بخیر و عافیت گزر سکتی ہو تو آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ کاروبارِ عالم میں گھر کے بزرگوں کے اثر و رسوخ کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے لیکن خدا کے پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے:

> "سارا کاروبارِ جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" (تقویۃ الایمان صہ)

عقیدے کا طغیان تو اپنی جگہ پر ہے الفاظ و بیان کی جارحیت ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ "سارا کاروبارِ جہان اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔" اتنا فقرہ بھی عقیدۂ توحید کا مفاد پورا کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" اس فقرے کا اضافہ صرف اس جذبۂ تحقیر کے اظہار کے لیے ہے جو ان حضرات کے دلوں میں رسولِ خدا کی طرف سے جاگزیں ہو چکا ہے۔ ع:

"نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر"

دیوبندی جماعت کے تین نئے بزرگوں کے واقعات کا اضافہ

قاری فخر الحسن صاحب گیاوی جو مولانا حسین احمد صاحب شیخ دیوبند کے مرید اور خلیفہ مجاز ہیں اور جو صوبہ بہار میں دیوبندی مذہب کے بہت بڑے مبلغ و پیشوا سمجھے جاتے ہیں انہوں نے "درسِ حیات" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو مدنی کتب خانہ قاسمیہ گیا سے شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں موصوف نے اپنی جماعت کے تین "بزرگوں" کے حالاتِ زندگی قلم بند کیے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ان کے نانا مولوی عبد الغفار سرحدی ہیں۔ دوسرے ان کے والد مولوی خیر الدین شاگرد مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں، تیسرے ان کے استاد اور والد کے دوست مولوی بشارت کریم صاحب ہیں۔ یہ تینوں حضرات اپنے زمانے میں دیوبندی مذہب کے علاقائی رہنما اور سرگرم مبلغ تھے۔

اب آنے والے صفحات میں ترتیب وار تینوں کے وہ واقعات پڑھیے جنہیں صحیح مان لینے کی صورت میں دیوبندی مکتب فکر کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے اور ایک انصاف پسند آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب شاید اسی لیے لکھی گئی ہے کہ دیوبندی مذہب کا جھوٹ فاش کیا جائے۔

(۱۵)

مولوی عبد الغفار صاحب سرحدی کے واقعات

ایک غیب داں جن کا قصہ

درس حیات کے مصنف نے اپنے نانا مولوی عبدالغفار صاحب کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسانوں کے علاوہ جنات بھی اُن سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور بہت سے جنات اُن کے حلقہ بگوشوں میں بھی شامل تھے۔

چنانچہ ایک جن طالب علم کا قصہ بیان کرتے ہوئے اُنھوں نے لکھا ہے کہ اُس کے ساتھیوں میں سے ایک لڑکے کو اس کے متعلق کسی طرح سے معلوم ہوگیا کہ وہ جن ہے۔ دوستانہ تعلقات تو پہلے ہی سے تھے یہ معلوم ہونے کے بعد اب وہ اس کے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں تم میری مالی امداد کر کے دیرینہ دوستی کا حق ادا کرو۔ یہ کام تمہارے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس نے معذرت چاہتے ہوئے جواب دیا کہ ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ میں تمہارے لیے چوری کروں اور مولوی ہو کر میں کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔

لکھا ہے کہ اُس جن کا وہ آخری سال تھا۔ بخاری شریف ختم کر کے جب وہ گھر جانے لگا تو اُس کے ساتھی نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی اور آبدیدہ ہو کر کہا۔ اب تو تم جا ہی رہے ہو۔ لیکن دمِ رخصت کم از کم اتنا تو بتا دو کہ تم سے اب ملاقات کی صورت کیا ہوگی۔ جواب دیا میں تمہیں چند مخصوص کلمات بتا دیتا ہوں جب بھی ملاقات کو جی چاہے پڑھ لیا کرنا میں حاضر ہو جایا کروں گا۔ چنانچہ اس کے چلے جانے کے بعد جب بھی ملاقات کی

خواہش ہوئی وہ مذکورہ کلمات پڑھ لیا کرتے اور وہ حاضر ہو جایا کرتا۔
اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سُنیے۔ لکھا ہے کہ:۔

"ایک مرتبہ وہ بہت مالی پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ لڑکی کی شادی کرنی تھی اور پیسے پاس میں نہ تھے اس موقعہ پر وہ جن دوست یاد آگئے اُن چند کلمات کا ورد کرنا تھا کہ جن صاحب تشریف لے آئے۔ اُنھوں نے اپنی پریشانی کا ذکر اُن سے کیا۔

اُنھوں نے کہا اچھا میں آپ کے لیے چوری تو کروں گا نہیں یہ حرام طریقہ میں اختیار نہیں کر سکتا ہوں مگر جائز ذرائع سے کچھ رقم آپ کے لیے مہیا کر کے آپ کی ضرور مدد کروں گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ دوسرے دن وہ جن صاحب آکر ان پریشان حال دوست کو معقول رقم دے گئے مگر تاکید کر گئے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔" (درس حیات ج ۲ ص۲)

اس رقم سے اُنھوں نے نہایت تزک و احتشام اور دھوم دھام سے اپنی بچی کی شادی کی۔ ایسا ٹھاٹھ باٹ دیکھ کر لوگوں کو سخت حیرت ہوئی اور لوگ سوچنے لگے کہ اچانک اتنی بڑی رقم اُنھیں کہاں سے مل گئی۔ دوسروں کو تو پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ لیکن بیوی ان کے سر ہو گئی ہر دم ضد جاری رہی لیکن بیوی کا اصرار بڑھتا گیا یہاں تک کہ مجبور ہو کر انہیں سارا بھید ظاہر کرنا پڑا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ فرط حیرت کے ساتھ سُنیے۔ لکھا ہے کہ:۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ اب اُنھوں نے جب بھی وہ کلمات اس اُمید پہ

لوگ ان کو علم غیب نہیں کہتے مگر ان کا خیال ہے کہ حضور ان تمام مغیبات کے عالم ضرور تھے جن کا تعلق ان کی ذات یا اُمت کے احوال سے ہے۔

ہمارے نزدیک پہلا گروہ جہالت و سفاہت کی آخری منزل میں ہے اور تمام مذکورہ انتہا پن کا مدعی فی الحقیقت یہی گروہ ہے۔ "علم غیب" کے متعدد ... اگرچہ ان میں نہیں لیکن مجلسوں میں مختلف اوقات میں جو بحثیں اس موضوع پر چھڑی رہتی ہیں ان کے سیاق و سباق میں ہر صاحب دیکھ سکتا ہے کہ یہ غلو ترین اور احمقانہ عقیدہ علم غیب کلی ہی کو قرار دیتے ہیں۔

رہا دوسرے گروہ کا عقیدہ تو یہ بھی ہمارے نزدیک پورے طور پر درست نہیں۔ ہم مانتے ہیں اور کون مسلمان ہوگا جو اسے نہ مانے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کو بے شمار ان مغیبات کا علم تھا جن کا علم کسی بھی انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ آپ دنیا کے سب سے اعلم یعنی بہت زیادہ جاننے والے انسان تھے۔ علوم غیبیہ کے معاملے میں آپ کے علم کو تمام امت کے مجموعی علم سے کم و بیش ایسی ہی نسبت ہے جیسے سمندر کو قطرے سے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہمارا یہ عقیدہ اور دعویٰ بھی ہے کہ اس کثرت علم کے باوجود آپ پر "عالم غیب" کی اصطلاح کو منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اصطلاح اللہ کے لیے خاص ہے۔ اور خاص اس لیے ہے کہ کسی بھی شئے کے علم میں اللہ وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں بلکہ ہر شئے ابد سے ابد تک کلاً و جزواً اس کے سامنے موجود ہے اس کے برخلاف حضور کو جو علم ملا وہ رب کی وساطت کے توسط سے ملا۔ شب معراج آپ نے بے شمار اشیائے غیب کو آنکھوں سے دیکھا لیکن یہ شہود علم غیب کے واسطے کی چیز نہیں بلکہ گنتے ضرور ہیں ذرائع سے مربوط ہے۔ لہٰذا جو کچھ ہم نے عرض کیا سب کچھ اس کے پیش نظر ... استعمال فرمائے۔ ذرائع میں ملائکہ بھی شامل ہیں وحی خاص ...

پڑھے کہ وہ جن صاحب تشریف لائیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے لیکن کبھی اُن کی یہ امید پوری نہ ہوسکی اور اُن سے جن نے ملاقات کا سلسلہ ختم کردیا۔" (صـ۲۳)

اب ایک طرف یہ واقعہ نظر میں رکھیے اور دوسری طرف دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا یہ فرمان پڑھیے۔

"اللہ صاحب نے پیغمبر صلعم کو فرمایا کہ لوگوں سے یوں کہدیویں کہ غیب کی بات سوا اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن۔" (تقویۃ الایمان صـ۲۲)

یہ مذہب ہے اور وہ واقعہ! اور دونوں ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں۔

اب آپ ہی منصفی سے کہیے کہ وہ جن اگر غیب داں نہیں تھا تو گھر کے اندر بیوی کے ساتھ کی جانے والی گفتگو کی اطلاع کسے کیونکر ہوگئی؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اس نے ملاقات کا سلسلہ کیوں ختم کردیا۔ اور توہین علم و دیانت کی نہ مٹنے والی سُرخی تو یہ ہے کہ علم و آگہی کا یہ واقعہ کچھ ایک بار کا نہیں تھا کہ اُسے حُسنِ اتفاق کا نتیجہ کہہ کر گزر جائیے، بلکہ واقعہ کی صراحت کے مطابق سیکڑوں میل کی مسافت سے اُن کلمات کا ورد کرتے ہی کسے ہمیشہ خبر ہوجایا کرتی تھی کہ فلاں مقام پر فلاں شخص مجھے یاد کر رہا ہے۔

اب اس کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ کسے ہمہ وقتی غیب دانی کا منصب حاصل تھا۔ بالکل وائرلیس کی طرح ادھر سگنل دیا اور اُدھر وصول کرلیا۔

"قتال و جدال کے معرکوں میں دو لشکروں کا تصادم تو اکثر پیش آیا ہے لیکن اپنے ہی مذہب کے ساتھ ایسا خون ریز تصادم شاید ہی تاریخ میں پیش آیا ہو۔

فیا للعجب! کہ اسی دین و دیانت پر علمائے دیوبند کو غرّہ ہے کہ وہ روئے زمین پر عقیدۂ توحید کے سب سے بڑے علمبردار ہیں۔

(۲)

جماعتی مسلک کا ایک اور خون

اپنی اسی کتاب میں مصنف نے آگے چل کر اپنے نانا کے حق میں خدائی منصب کا ایک صاف و صریح دعویٰ کیا ہے۔ قوسین کے تشریحی اضافے کے ساتھ دعوے کی یہ سُرخی ملاحظہ فرمایئے!

علوم تکوینیات (انتظام عالم) سے مولانا کا تعلّق!

اب دریائے حیرت میں ڈوب کر دعوے کے یہ الفاظ پڑھیے:۔

"علوم تکوینیہ انتظامیہ سے بھی مولانا کا تعلّق تھا اور عالم تکوینیات کے کارکنوں کا مولانا سے ملنا اور مشورہ کرنا اور ان سے گہرے روابط اور تعلقات بھی وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہتے تھے۔"

(درس حیات صہ ۸۵)

کیا سمجھے آپ؟ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نانا میاں اس محکمے کے "آفیسر انچارج" تھے اور ماتحت کارندے آپ کے مشورے کے مطابق عالم کے انتظامات کا کام سنبھالتے تھے اور یہ کچھ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ خود مصنف نے اپنی کتاب میں اس کا دعویٰ کیا ہے

ارشاد فرماتے ہیں :

" اللہ تعالیٰ کی طرف سے عالم کے تمام انتظامات کے لیے کارندے مقرر ہیں وہی سب کچھ کرتے ہیں۔ وہ اس علم کی اصطلاح میں "اصحاب خدمت" کہلاتے ہیں۔" (درس حیات ص۸۹)

یہ سوال جو عام طور پر کیا جاتا ہے کہ کیا خدا تمہاری مدد نہیں کرسکتا جو تم انبیاء و اولیاء کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو، اگر صحیح ہے تو ہمیں بھی یہ سوال کرنے کی اجازت دی جائے کہ " وہی سب کچھ کرتے ہیں " تو پھر خدا کیا کرتا ہے؟ کیا وہ اکیلا عالم کا انتظام نہیں کرسکتا جو اس نے انسانوں میں سے جگہ جگہ اپنے کارندے مقرر فرمائے ہیں۔

ضمناً یہ بات نکل آئی۔ ورنہ کہنا یہ ہے کہ ایک طرف "نانا میاں" کا یہ تکوینی اور انتظامی اختیار ملاحظہ فرمایئے اور دوسری طرف تقویۃ الایمان کا یہ فرمان پڑھیئے توحید پرستی اور خدا پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

" اللہ صاحب کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہ سمجھے کہ بڑے بڑے کام تو آپ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام اور نوکروں چاکروں کو حوالہ کردیتے ہیں۔ سو لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کی التجا کرنی ضرور پڑتی ہے۔ سو اللہ کے یہاں کا کارخانہ یوں نہیں ہے۔ "

(تقویۃ الایمان ۳۶)

یہ ہے عقیدہ وہ ہے عمل! اور دونوں کے درمیان جو مشرق و مغرب کا تضاد ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ یہ تضاد کیونکر اٹھے گا اسے تو اصحاب معاملہ جانیں، ہمیں تو اس وقت انہی کارندوں میں سے ایک کارندے کا قصہ سنانا ہے۔ جسے مصنف نے یہ ظاہر کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ اس طبقے کے ساتھ "نانا میاں کا تعلق کتنا گہرا اور رازدارانہ تھا۔ قصے کا آغاز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مولانا عبدالرافع صاحب مرحوم (مصنف کے خالو) کا بیان ہے کہ مولانا (یعنی نانا میاں) کے گھر کا سودا میں ہی لایا کرتا تھا۔ سبزی ترکاری لانی ہوتی تو مولانا ایک خاص کنجڑے کا پتہ بتلانے کہ وہیں سے لینا۔ اس کے یہاں اچھی ہو یا بری اسی کے یہاں سے لینا۔"
(درس حیات ص۸۶)

اب پڑھنے کی چیز یہی ہے کہ وہ کنجڑا کون تھا اور اس میں کیا خصوصیت تھی۔ لکھا ہے کہ:۔

"مولانا عبدالرافع صاحب کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کہ گیا کے انتظامی امور تو آج کل بہت خراب ہیں۔ آج کل یہاں کا صاحب خدمت کون ہے۔ مولانا خفا ہوئے کہ اس کو یہ بیماری ہے کہ بے فائدہ باتیں پوچھا کرتا ہے۔ مگر میں بہت سر چڑھا تھا بار بار اصرار کرتا ہی رہا کہ بتلا دیجئے۔

آخر مجبور ہو کر فرمایا کہ وہی کنجڑا ہے جس کے یہاں سے ترکاری

دانے کے لیے تم کو تاکید کرتا رہتا ہوں اور تم ہمیشہ مجھ سے اس کے بارے میں حجت کرتے رہتے ہو۔

میں یہ سن کر حیران رہ گیا کہ اللہ غنی! وہ کنجڑا اتنے درجے والا ہے۔"

(درسِ حیات ص۵۹)

مجھے اس واقعہ کے ضمن میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ عالم کے تنظیمات و تکوینی اختیارات جب خدا ہی نے بنی نوع انسان میں سے اپنے چند کارندوں کے سپرد کر دیئے ہیں تو اب انہیں کارساز و حاجت روا سمجھنے پر شرک کا الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے۔ یہ بغاوت نہیں بلکہ عین وفاداری ہے کہ مالک کی طرف سے مقرر کیے ہوئے کارندوں کو ان کی منصبی حیثیت کے ساتھ عقیدۃً اور عملاً دونوں طرح تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ جس کے ہاتھ میں امور کا انتظام و انصرام ہوتا ہے، اپنی کاربرآری اور عقدہ کشائی کے لیے اس کی طرف رجوع کرنا دین و دیانت کا بھی تقاضہ ہے اور عقل و فطرت کا بھی۔

اس واقعے میں اپنے مسلک سے انحراف اپنی جگہ پر ہے لیکن سب سے بڑا ماتم تو دل کی اس شقاوت کا ہے کہ اپنے "نانا کا لقب" اور اقتدار ثابت کرنے کے لیے تو ایک کنجڑے تک کو کاروبارِ عالم میں دخیل مان لیا گیا لیکن "حسین نے نانا" کے حق میں عقیدے کی جو زبان استعمال کی جاتی ہے وہ یہ ہے:۔

"جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔" (تقویۃ الایمان ص۴۴)

"سارا کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے، رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" (تقویۃ الایمان ص۵۸)

(۱۶)

مولوی خیرالدین صاحب کے واقعات

(۱)

اولاد کی لالچ میں عقیدۂ شرک سے مصالحت

درس حیات کے مصنف اپنے والد کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"ابتدا میں (والد کی) کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ کئی اولاد ہوئیں مگر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ خوش قسمتی سے ایک عالم پنجابی جو بہت بڑے عامل بھی تھے، گیا تشریف لائے، مولانا نے اولاد زندہ نہ رہنے کا حال اُن سے کہا۔

اُنھوں نے کہا کہ ایک عمل ہے اس کو کیجئے انشاء اللہ اولاد نرینہ ہوگی اور زندہ رہے گی۔ جب حمل کو چوتھا مہینہ ہو تو حاملہ کے پیٹ پر اپنی انگلی سے بغیر روشنائی کے "محمد" لکھ دیجئے اور پکار کر کہیے: "میں نے تیرا نام محمد رکھا۔" اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھیے۔ چنانچہ اس عمل کے بعد سب سے پہلی اولاد جو پیدا ہو کر زندہ رہی وہ میں؛ قاری فخرالدین مصنف کتاب ہوں۔"

(درس حیات صہ ۱۵۶)

غائب کو خطاب اور ندا دیوبندی مذہب میں شرک ہے۔ لیکن اولاد کی بابت یہاں کوئی الجھن پیش نہیں آئی کہ "میں نے تیرا نام محمد رکھا" میں غائب کو خطاب کیوں کر درست ہے۔

اور سب سے بڑا قلق تو اس احسان فراموشی کا ہے کہ جس اعتقاد کی بدولت زندگی جیسی نعمت میسر آئی اسی کو غلط اور شرک ثابت کرتے ہوئے ذرا کفرانِ نعمت کا خیال ان حضرات کو نہیں آتا۔ اور واقعہ سے گزر جانے کے باوجود انہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ جب "اسم" کا تصرف یہ ہے کہ وہ حیات بخش ثابت ہوا تو "مسمّٰی" کے تصرفات کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

(۲)

تصرف وغیب دانی کا بے مثال واقعہ

درس حیات کے مصنف نے تحصیل علم کے سلسلے میں اپنے والد کا ایک سفرنامہ نقل کیا ہے۔ واقعات کے راوی خود مصنف کے والد ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے چند رفقاء کے ساتھ تحصیل علم کے لیے اپنے گھر سے نکلے اور کئی دن تک شبانہ روز چلتے رہے۔

> "یہاں تک کہ ہم دوپہر کو ایک شہر میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ کرنال ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ سب سے پہلے ظہر کی نماز کس مسجد میں ہوتی ہے۔ اس مسجد میں جا کر نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد سے نکلا کہ جلدی شہر سے نکلوں تاکہ راستہ کھوٹا نہ ہو۔
>
> مسجد سے لگے ہوئے برآمدے میں ایک نابینا حافظ صاحب بیٹھے تھے میں جب ان کے قریب سے گزرا تو انھوں نے کہا خیرالدین السلام علیکم!

میرے پاس آؤ۔
میں نے یہ خیال کر کے فضول باتوں میں یہ میرا وقت ضائع کریں گے ان کی اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور سرسری جواب دیتے ہوئے تیزی سے نکل گیا۔ انھوں نے اپنے چند شاگردوں کو میرے پیچھے دوڑایا کہ پکڑ لے آؤ مگر وہ مجھ کو پکڑ نہ سکے۔ میں سب سے قوی تھا سب کو جھٹک کر دور پھینک دیا اور آگے بڑھتا رہا۔"

(درسِ حیات ص۱۵۵)

یہاں تک کہ میں شہر پناہ کے پھاٹک سے جیسے ہی باہر نکلا اچانک زمین نے میرے قدم تھام لیے۔ بہت کوشش کی لیکن ذرا بھی قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔ میرے ساتھیوں نے بھی مل کر بہت زور لگایا لیکن وہ بھی میرے قدموں کو زمین کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکے۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر میں شہر کی طرف واپس لوٹ آیا اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کو رخصت کر دیا۔

شہر میں آنے کے بعد مجھ کو خیال ہوا کہ وہ نابینا حافظ جی کون تھے۔ جنھوں نے باوجود ناواقف، اجنبی اور نابینا ہونے کے مجھ کو میرا نام لیکر پکارا۔ چلوں ان سے تحقیق حال کروں۔ میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہ زور سے ہنسے اور کہا آخر آگئے بہت جان چھڑا کر بھاگے تھے۔ میں نے ان سے کہا ان باتوں کو چھوڑیئے آپ یہ بتلایئے کہ آپ نے مجھ کو کیسے پہچانا اور میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انھوں نے فرمایا کہ تمہارا نام؟

مجھ کو تو تمہارا حال معلوم ہے کہ کس غرض سے نکلے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جس طرح تم اِدھر روکے گئے ہو اُدھر نہیں روکے جاؤگے؟ تمہارے علم کا ایک حصہ اس شہر میں مقدر ہے جب تک تم اس کو حاصل نہیں کروگے اس شہر سے نکل نہیں سکتے۔" (ص ۵۶)

اس کہانی میں نابینا حافظ کا کردار نہایت واضح طور پر دیوبندی مذہب کو جھٹلا رہا ہے کیونکہ کسی نابینا شخص کا صرف قدموں کی آہٹ پاکر ایک بالکل اجنبی آدمی کو پہچان لینا اور اس کا نام لے کر پکارنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ نام ہی نہیں مجھے تمہارا حال اور مقصد سفر تک معلوم ہے۔ پھر تقدیر کا یہ نوشتہ بتانا کہ اس شہر میں تمہارے لیے علم کا ایک حصہ مقدر ہے اور اس شہر سے اس وقت تک تم نہیں نکل سکتے جب تک کہ اُسے حاصل نہ کرلو۔ یہ سارے اُمور وہ ہیں جنہیں دیوبندی مذہب میں صرف خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور بڑے سے بڑے بندے کے حق میں اس طرح کی باتوں کے اعتقاد کو شرکِ جلی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ٹھیک ہی کہا ہے کسی نے کہ دنیا میں قاتلوں کی کمی نہیں ہے لیکن علمائے دیوبند پر اپنے مذہبی اصولوں کے قتل کا الزام تاریخ کا بدترین الزام ہے۔

(۳)

تصرف و غیب دانی کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ

مصنف نے اپنی کتاب میں اپنے والد کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک بار اپنے پیر و مرشد سے ملاقات کے لیے وہ سوات جا رہے تھے۔ جو سندھ کے اطراف میں واقع ہے۔ درمیان میں پہاڑوں اور صحراؤں کا ایک طویل سلسلہ طے کرنا

پڑتا تھا۔ چلتے چلتے جب وہ ایک پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچے تو وہاں کا راستہ اتنا تنگ اور دشوار گذار تھا کہ گدھے کی سواری کے بغیر اُسے عبور کرنا ناممکن تھا۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود مسافر کی زبانی سنیئے۔ لکھا ہے کہ:۔

"میں گدھے پر سوار تھوڑا ہی آگے بڑھا ہوں گا کہ ایک درہ میں سے ڈاکوؤں کا ایک گروہ نکلا اور اس نے مجھ کو بہت تنگ کیا۔ میرے پاس جو کچھ تھا سب رکھوا لیا اور اس کے بعد جان کی باری تھی۔ رحم کا کوئی شائبہ ان کے اندر نہ تھا۔

میں نے پریشانی کے عالم میں سر جھکا لیا اور عمل برزخ "تصور شیخ" کا عمل کیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہی ظالم ڈاکو سراپا رحم و کرم بنے ہوئے تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ کوئی قدم چومتا ہے کوئی ہاتھ چومتا ہے۔"

(درس حیات ص۲۷)

اس کے بعد لکھا ہے کہ انہی لوگوں میں ڈاکوؤں کا سردار بھی تھا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اور میری بڑی خاطر مدارات کی۔ وہ لوگ بار بار مجھ سے معافی مانگتے تھے اور اقرار لیتے تھے کہ میں نے انہیں معاف کر دیا۔ میں نے حیرانی کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ پہلے تو تم لوگوں نے میرے ساتھ وہ معاملہ کیا اور اب اچانک کیا بات ہوگئی کہ تم میرے حال پر اس قدر مہربان ہوگئے ان لوگوں نے جواب دیا کہ:۔

"حضرت ہم نے آپ کو پہچانا نہ تھا۔ جب آپ آنکھ بند کر کے

تو غیب بھی جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتے تھے انھیں ورۂ بالائی اور دنیا میں نظر آتی ہیں
جو مخلوقات کروڑوں میل کے فاصلے پر ہیں۔ چونکہ ان کی لطافت کی بنا پر ان سے ربط
تو وہ اشیا اس کائنات میں موجود ہوتی ہیں کہ جن کے ذریعہ اللہ نے فرشتوں میں اپنے رسولوں کو سیر
کی سیر کرادی۔ اس میں حضور کی اپنی قوت یا ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا۔

۔۔ زندگی میں بے شمار واقعات ہیں جن سے حضور کی غیب دانی کا پتہ چلتا ہے جس
ان میں ایک بھی ایسا ثابت نہیں کیا جا سکتا جو کسی وسیلے سے ... ہو ...
مخفی باطنی کوئی روحانی تکنیک تھی کہ اگر بعض صوفیا کی اس رائے کو قبول کر لیا جائے
اور ہمارے نزدیک اسے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو حواس خمسہ
کے علاوہ بھی کوئی ایسی حس دی گئی تھی جس سے وہ غیب کا ادراک کر سکتے تھے۔ اسے
ہم چھٹی حس کہہ لیں یا کوئی اور نام دے لیں۔ بہرحال یہ بھی ایک وسیلے ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔
اور ہمارا یہ ثابت ہے کہ یہ ... محدود نہیں تھی بلکہ اس کا دائرہ کار محدود تھا اور اس
تحدید کی وجہ سے انبیاء کی زندگی میں بے شمار واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے
کہ کچھ چیزیں کچھ واقعات کچھ حوادث مثلاً یا تجربہ کچھ مدت کے لیے یا زیادہ مدت کے لیے
ان سے مخفی بھی رہتے تھے یا نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات ... وقت ... سے
... مخفی ... ان تمام اشیا کو اللہ تعالیٰ دکھا دیتی تھی جن کو دکھانا دعوت
دین کی مصلحت کے لیے ضروری تھا۔ یہ خصوصیت انبیاء ہی کے لیے مخصوص تھی کہ وہ اسرار غیب
... جن امور کا تعلق ان مصالح سے نہیں تھا ...
... ان کو نہیں دی گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کے سوا جس نے بھی جو کچھ جانا وسائط و وسائل کے توسل سے

سر جھکائے بیٹھے تھے اس وقت ہم نے آپ کو غور سے دیکھا تو بجائے آپ
تو حضرت میاں صاحب ہیں۔" (درس حیات ص۱۷۳)

اب اس کے بعد بیان کرتے ہیں، بیان نہیں کرتے دیوبندی مکتب فکر کے لٹریچر میں آگ لگاتے ہیں:

"اب میری سمجھ میں آیا کہ تصور شیخ کی برکت سے حضرت کی توجہ خصوصی
مبذول ہوکر میری صورت حضرت پیر و مرشد کی صورت سے تبدیل ہو
گئی جس کی مجھ کو خبر بھی نہ تھی اور ان ڈاکوؤں کے کہنے سے یہ عقدہ کھلا۔"
(ص۱۷۳)

یہاں تک تو رہنے کا حال بیان ہوا اب پیر صاحب کے دربار کا قصہ سنیے اور غیبی قوت ادراک کی ایک اور شان دیکھئے۔ لکھا ہے کہ:

"حضرت نے مجھ کو دیکھ کر فرمایا کہ بندۂ خدا آنا ہی تھا تو مجھ کو اطلاع
کر دیتے میں ڈاکوؤں کے سردار کو خبر کرا دیتا تو پھر کوئی خطرہ پیش نہ آتا۔
یہ راستہ بہت خطرناک ہے اللہ کا فضل ہوا کہ بچ کر چلے آئے۔"
(ص۱۷۴)

اب اپنے حضرت کی غیب دانی کا ایک اور اعتراف ملاحظہ فرمایئے بیان کرتے ہیں کہ:

"(حضرت) دیر سے منتظر بیٹھے تھے۔ اور میرے لیے کھچڑی پکوا کر

رکھی تھی چونکہ اُس وقت میرے معدہ میں کچھ گڑبڑی تھی۔ حالانکہ میں نے اس کی کوئی اطلاع نہیں کی تھی۔ بڑی شفقت سے مجھ کو کھچڑی کھلائی۔" (ص۱۷۴)

غور فرمایئے! اس ایک واقعہ میں اپنے حضرت کے متعلق غیب دانی اور تصرف کے کتنے دعوے کیے گئے ہیں۔

پہلا دعویٰ تو یہی ہے کہ پہاڑ کی گھاٹی میں میلوں کی مسافت سے تصور کی خاموش زبان کا استغاثہ انھوں نے سُن لیا اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے اپنی صورت بھی مرید کی صورت پر چسپاں کر دی اور یہ اس وقت تک چسپاں رہی جب تک کہ مُرید اپنے گھر تک نہیں پہنچ گیا۔

دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ پہاڑ کی گھاٹی میں مُرید کو جو حادثہ پیش آیا غیبی طور پر اس کی جملہ تفصیلات پیر صاحب کو معلوم ہو گئیں جبھی تو پہنچتے ہی انھوں نے فرمایا۔ "بندۂ خدا! آنا ہی تھا تو مجھ کو اطلاع کر دیتے میں ڈاکوؤں کو خبر کر دیتا تو پھر کوئی خطرہ پیش نہ آتا۔"

تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ اپنے غیبی علم کے ذریعے پیر صاحب کو اس بات کی بھی خبر ہو گئی کہ آنے والے مُرید کا معدہ خراب ہو گیا ہے۔ اس لیے پہلے ہی سے کھچڑی پکوا کر تیار رکھی تھی۔

سوچتا ہوں تو آنکھوں میں خون تیرنے لگتا ہے کہ یہ حضرات اپنے گھر کے بزرگوں کے متعلق جو کچھ بیان کرتے ہیں اگر یہی امر واقعہ ہے اور یہی ایمانی حقیقتوں کی صحیح تعبیر ہے تو پھر سو برس سے انبیاء و اولیاء کے بارے میں عقائد کی جو جنگ لڑی جا رہی

ہے تو اس کا پس منظر کیا ہے؟

کتنا سنگین مذاق ہے یہ اہلِ اسلام کے ساتھ کہ صرف جی بہلانے کے لیے اُن کے جذبات سے کھیلا جا رہا ہے۔

دیوبندی مکتبِ فکر کا وہ لٹریچر جو کفر و شرک کی تعبیرات پر مشتمل ہے خانقاہوں میں تو پہلے ہی سے ناپسندیدہ تھا اب جب کہ اپنے گھر میں بھی وہ قابلِ عمل نہیں رہ گئے تو اُسے باقی رکھنے کی معقول وجہ کیا ہے۔؟

یہ سوال دیوبندی جماعت کے سارے اصاغر و اکابر سے ہے کوئی صاحب بھی معقول جواب دے کر میری تشفی کر دیں تو میں ساری زندگی ان کا شکر گذار رہوں گا۔

(۴)

باپ کی غیب دانی کا قصہ

اب تک تو دوسروں کی بات چل رہی تھی اب خود مصنف کے "والد بزرگوار" کی غیب دانی کا قصہ سُنیئے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے چھوٹے بھائی قاری شرف الدین کا بیان ہے کہ مولانا وضو کر کے مُصلّے پر دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھا چکے تھے کہ میں نماز کی تیاری کی بجائے یہ سمجھ کر اُن کے پیچھے کھیل میں مشغول ہو گیا کہ اب وہ تحریمہ باندھ کر نماز میں دیر تک مشغول رہیں گے اور ان کو میرے کھیل کی خبر نہ ہو گی۔ لیکن اُن کو فوراً کشف ہو گیا اور اچانک ہاتھ کانوں سے ہٹا کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھ کو زور سے ڈانٹا۔" (درسِ حیات ص۲۲۶)

اس واقعہ کے بیان میں ذرا جذبۂ عقیدت کا یہ تصرف ملاحظہ فرمایئے کہ تحریمہ باندھتے وقت پیچھے پلٹ کر دیکھنا اتفاقاً بھی ہوسکتا ہے اور اس غرض سے بھی ہوسکتا ہے کہ صفیں سیدھی ہوگئیں یا نہیں، لیکن مصنف کا اصرار ہے کہ میرے والد نے صرف اس لیے پیچھے پلٹ کر دیکھا کہ انھیں اپنی غیبی قوتِ ادراک کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ پیچھے کی صف میں بھائی کھیل رہا ہے۔

مجھے کہنے دیجئے کہ باپ کو غیب داں ثابت کرنے کے لیے جو جذبۂ عقیدت یہاں کارفرما ہے اگر اس کا ہزاروں حصہ بھی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دل کے کسی گوشے میں موجود ہوتا تو عقائد کا یہ اختلاف جس نے امت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے ہرگز وجود میں نہ آتا۔

ہزار تاویلات کے باوجود دیوبندی لٹریچر کے ذریعہ یہ حقیقت اب اتنی واضح ہوگئی ہے کہ ملت کا انصاف پسند طبقہ حالات کا یہ کرب محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک بات کی وضاحت

اس کتاب میں دیوبندی لٹریچر کے حوالے سے کشف کا ذکر بار بار آیا ہے اس لیے میں اسے واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دیوبندی مذہب میں کشف کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

لہٰذا اس کے لیے دیوبندی مذہب کی الہامی کتاب تقویۃ الایمان کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے:۔

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں کوئی کشف کا دعویٰ کرتا ہے کوئی استخارہ کا عمل سکھاتا ہے

"یہ سب جھوٹے ہیں اور دغاباز، ان کے جال میں ہرگز نہ پھنسنا چاہیے۔"

(تقویۃ الایمان ص۲۳)

تقویۃ الایمان کی اس نشاندہی کے بعد دیوبندی گروہ کا کوئی شخص اپنے یا اپنے کسی بزرگ کے لیے کشف کا دعویٰ کرتا ہے تو اب اس کے متعلق اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے دغاباز ہے اس کے جال میں ہرگز نہ پھنسنا چاہیئے۔

(۱۷)

مولانا بشارت کریم صاحب کے واقعات

(۱)

کبریائی اختیارات کی کہانی

موصوف گڑھول نام کی ایک بستی کے رہنے والے ہیں جو ضلع مظفرپور بہار میں واقع ہے۔ "درسِ حیات" کے مصنف نے اپنے استاد اور ایک مخدوم بزرگ کی حیثیت سے ان کا تذکرہ نہایت عقیدت کے ساتھ کیا ہے۔

ان کے دربار کے ایک حاضر باش پنڈت کے بارے میں انھوں نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھا ہے کہ پنڈت جی کسی مرشدِ کامل کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے کہ اچانک کسی مجذوب عورت سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے گڑھول کا پتہ بتایا کہ وہاں جا! وہاں تیرے درد کا درماں ہے۔ اب وہ گڑھول کا راستہ معلوم کر کے وہاں کے لیے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنیئے۔ لکھا ہے کہ :-

"دوپہر کا وقت تھا اور گرمی کا زمانہ تھا۔ جو گیارہ اسٹیشن سے پیدل
گڑھول جا رہے تھے۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت لوگ عموماً
گھروں کے اندر پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ باہر راستے میں چلتے ہوئے لوگ
نہیں ملتے۔ یہ کئی جگہ راستہ بھولے اور ہر جگہ ایک ہی صورت کے ایک
ہی شخص نے ظاہر ہو کر راستہ بتلا دیا۔"

(درس حیات صہ ۲۹۹)

اب اس کے بعد کا قصہ سنیئے۔ بیان کے اس حصے میں مرشدِ کامل کی قوتِ تصرف اور عجیب دانی کا منصب کبریائی خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"جب گڑھول پہنچے اور حضرت کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑی تو
دیکھا کہ یہ تو وہی ہیں جنھوں نے راستے میں کئی جگہ ظاہر ہو کر رہنمائی فرمائی
تھی۔ عقیدت جوش میں آئی۔ بے اختیار عرض کیا بادشاہ! میرے حال
پر رحم کیجئے اور مجھ کو راستہ بتلایئے۔" (صہ ۳۰۰)

گفتگو کا یہ حصہ بیاز مند اور باغی ذہن کا فرق اچھی طرح واضح کر دیتا ہے۔ نفسیات انسانی کا یہ نکتہ اگر سمجھ میں آ گیا تو نظر کے بہت سارے حجابات خود بخود اٹھ جائیں گے۔

حضرت نے پوچھا کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا گدھوں

> آتے ہوئے جہاں کہیں راستہ بھولا تو بادشاہ! آپ نے ظاہر ہو کر رستہ بتلایا۔ اب آپ پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ آپ کو سب معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" (ص ۳۰۰)

یہ واقعہ پڑھ کر ہر غیرجانبدار ذہن کو جن سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا وہ یہ ہیں:

پہلا سوال تو یہ ہے کہ اگر "حضرت" غیب داں نہیں تھے تو گھر بیٹھے انھیں کیونکر معلوم ہو گیا کہ ایک جوگی میرے دربار میں آتے ہوئے راستہ بھول گیا ہے چل کر اس کی رہنمائی کی جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ راستہ بھولنے کا واقعہ کئی بار پیش آیا اور ہر بار یہ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں راستہ گم ہو گیا تھا۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے جوگی کی ایک ایک نقل و حرکت دیکھ رہے تھے اور جہاں ضرورت سمجھتے تھے فوراً رہنمائی کے لیے پہنچ جاتے تھے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ راستہ بتانے کے لیے جوگی کے سامنے ایک ہی شکل و صورت کا جو شخص بار بار نمودار ہوا وہ کون تھا؟ آیا وہ خود "حضرت" تھے یا کوئی اور تھا؟ اگر وہ خود حضرت تھے تو بجلی کی طرح یہ سرعت رفتار انھیں کیونکر میسر آئی کہ مسافر ابھی راستے ہی میں تھا اور یہ کئی بار آئے بھی اور گئے بھی۔ اور اگر وہ "حضرت" نہیں تھے بلکہ کوئی اور تھا تو بالکل "حضرت" کی طرح یہ دوسرا "وجود" کس کے تصرف کا نتیجہ تھا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ جوگی نے جب یہ کہا کہ بادشاہ! گر بھول آتے ہوئے جہاں کہیں ہم بھولے آپ نے ظاہر ہو کر راستہ بتایا اس کے بعد بھی آپ پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ آپ کو سب معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ تو انھوں نے رسماً بھی یہ نہیں

کہا کہ اسلام میں کسی مخلوق کے لیے اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ یہ صرف خدا کا حق ہے۔ جب ہم اپنے پیغمبر کے بارے میں اس طرح کا اعتقاد خلاف حق سمجھتے ہیں تو میرے متعلق یہ اعتقاد کیوں کر درست ہو گا۔

ان سوالات کے جواب کے لیے میں آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا انصاف چاہتا ہوں۔

(۲)

باطنی مشاہدات کا ایک حیرت انگیز واقعہ

اپنے حضرت کی غیبی قوت ادراک کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے

کتاب کے مصنف اپنے والد سے ایک روایت نقل کرتے ہیں :۔

" والد صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت مولانا بشارت کریم صاحب فرماتے تھے کہ میں نے بارہا آپ کے قلب پر نظر کی تو اس کو آپ کے شیخ کی توجہات سے معمور و مربوط پایا۔ آپ کے شیخ کا پورا قبضہ آپ کے قلب پر ہے اور آپ کے قلب کا پورا رابطہ شیخ کے ساتھ ہے۔

سبحان اللہ! کشف قلوب کی کتنی عجیب مثال ہے یہ واقعہ۔"

(درس حیات صفحہ ۳۲۲)

ذرا دیکھیے اس نظر کو جو ایک طرف سینہ چاک کرتی ہوئی مرید کے قلب تک جا پہنچی اور قلب میں نہاں خانوں کو اندر کا سارا حال دیکھ لیا اور دوسری طرف باطنی توجہ کا وہ طویل سلسلہ بھی

دیکھ آئی جو سیکڑوں میل کی مسافت پر شیخ کے قلب کے ساتھ منسلک تھا ورنہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ نگاہ کا یہ عمل کچھ ایک ہی بار نہیں پیش آیا کہ اُسے حسنِ اتفاق کا نتیجہ کہہ کر بات رفع دفع کر دیجئے بلکہ بیان کی صراحت کے مطابق بارہا ایسا ہوا اور جب بھی چاہا ہوتا رہا۔

معاذ اللہ! جذبۂ عقیدت کا تصرف بھی کتنا پُرآشوب ہوتا ہے؟ ایک ادنیٰ اُمتی کے لیے تو زبان و قلم کا یہ اعتراف ہے اور رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سارا قبیلہ متفق ہے کہ اُن کی نظر پسِ دیوار بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

(۴)

ایک مجذوب کا قصۂ عجیب

درسِ حیات کے مصنف نے اپنے ایک رفیق تعلیم کے حوالے سے ایک مجذوب کا قصہ بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ جنک پور روڈ ضلع مظفر پور میں جہاں اُن کے رفیق تعلیم کا گھر تھا ایک مجذوب رہا کرتا تھا۔ اس سے ان کی اچھی خاصی شناسائی تھی۔ ایک دن رات کے وقت استنجے کے لیے گھر سے باہر نکلے، دیکھا کہ وہ مجذوب اُن کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ وہ بھی اس کے پیچھے لگ گئے۔ بستی سے باہر نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد مجذوب رُک گیا اور گڑھول (جہاں مولانا بشارت کریم صاحب کا گھر تھا) کی طرف رُخ کر کے اُن سے کہنا شروع کیا:-

> "ارے دیکھو! اُدھر دیکھ! وہ دیکھ! گڑھول میں مولانا بشارت کریم صاحب ذکر کر رہے ہیں اور اُن کے مکان پر انوار کی بارش ہو رہی ہے اور اُن کے مکان سے عرش تک نور ہی نور ہے۔" (درسِ حیات صـ۲۴۱)

اسے مجذوب کی بڑ کہہ کر آپ گزر بھی جانا چاہیں تو "دانشورانِ دیوبند" کے اس اعتراف کو کیا کہیئے گا جس کے لفظ لفظ سے یقین کا تیور جھلک رہا ہے :۔

> "للہ الحمد! یہ ہے ذکر اور یہ ہیں ذاکر، جن کے انوار کا کوئی آنکھ ہی والا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ نہ صرف قریب سے بلکہ آٹھ نو میل کی دوری سے اس طرح مشاہدہ کرسکتا ہے کہ جیسے کسی محسوس چیز کو بہت قریب سے کوئی دیکھ رہا ہو۔" (ص ۲۴۲)

جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر پھر ہیں آپ کے جذبۂ انصاف کو آواز دوں کہ سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں تو علم پسِ دیوار کا عقیدہ دانشورانِ دیوبند کے حلق کے نیچے اب تک نہیں اُتر سکا۔ لیکن ایک مجذوب کے حق میں دل کا یہ یقین ملاحظہ فرمایئے کہ نو میل کے فاصلے سے اندھیری رات میں فرش سے عرش تک غیبی انوار و تجلیات کا وہ اس طرح مشاہدہ کررہا ہے جیسے کسی محسوس چیز کو بہت قریب سے کوئی دیکھتا ہے۔ نہ درمیان کے حجابات اس کی نظر پر حائل ہوتے ہیں اور نہ رات کی تاریکی مانع ہوتی ہے۔

حیرت ہوتی ہے دیوبندی ذہن کی اس بوالعجبی پر کہ غیبی علم و ادراک کی جو قوت وہ ایک ادنیٰ اُمتی کے حق میں تسلیم کر لیتے ہیں اسے اپنے رسول کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے اُنھیں شرک کا آزار کیوں ستانے لگتا ہے۔

علمائے دیوبند کا یہی زاویۂ فکر ہے جہاں سے واضح طور پر ہمیں یہ محسوس کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اپنے اور بیگانے کے درمیان جوہری فرق کیا ہوتا ہے اور حالات و واقعات پر اس کا اثر کیا پڑتا ہے۔

جاتا۔ یہ دوسرا خواہ کتنے ہی لطیف اور مخفی اور حیران کن رہے ہوں۔ یہ بہرحال انسانی علم کو خدا کے علم غیب سے جدا کرنے والے ہیں جو ہر وقت ہر شی کو بلا واسطہ محیط ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ ہم نہ تو انبیاء علیہم السّلام کی لغوی غیب دانی کے انکاری ہیں نہ اولیاء اللہ کے کشف و کرامات کو خلاف قیاس تصور کرتے ہیں۔ بلاشبہ دین دار کو صفاء قلب کے نتیجے میں بیشمار مغیبات کا ایسا علم ہوتا ہے جسے شہود کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور ان کی روحانی توجہ کسی نہ کسی حد تک تصرف کی استعداد بھی رکھتی ہیں۔ ان روحوں سے مدد لینی یا مراقبے کے ذریعے تصرف یا کشف والہام کی جتنی بھی صورتیں ہیں ان سب کے ثبوت کا پیمانہ ہم قرآن و سنت کو قرار دیتے ہیں نہ کہ فرمودات مشائخ کو۔ ہمارے نزدیک کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا حال یا قال درخور اعتنا نہیں ہے اگر وہ قرآن و سنت کے خلاف فرمودہ عقائد و نظریات سے متصادم ہو۔ ہم کسی ایسے شاذ حال یا مقولہ کا نہ طرح حسن گمانی یا الہام قائل ملہموں کو محض اس بنا پر شکل حق تصور نہیں کر لیں گے کہ یہ حضرات ہمارے بزرگوں میں داخل ہیں۔ ہم ان کے ارشادات کی حتی الوسع تاویل حسن کریں گے جب گنجائش نہ ہوگی تو صاف کہہ دیں گے کہ ان لوگوں کو دھوکہ لگا۔ انہوں نے غلط راویوں کا انتخاب کیا یا خود زود غلط فہمی یا خرافات و افسانہ کہانیوں کو سچ سمجھ بیٹھے یا عقیدت کے غلو نے ان کی بصیرت پر دبیز طور پر پردہ ڈال دیا۔

زلزلہ کا سب سے بڑا تاثر جو فی الحقیقت گمراہ کن ہے۔ یہ مفروضہ ہے یہ پڑھ کے لگا کہ یہ بریلوی مکتب فکر جس قبوری شریعت کا حامل ہے۔ وہی اصل حق ہے اور علمائے دیوبند بھی دراصل اسی کے قائل ہیں۔ اس تاثر سے خدا کی پناہ۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ تصوف و طریقت کے دروازے سے جیسے شدید غلط خیالات و تصورات بریلوی

(۴)

عقیدوں کا خون

مولوی عبدالشکور نام کے کوئی صاحب مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں مدرس تھے۔ موصوف مولانا بشارت کریم صاحب کے خاص مُریدوں میں تھے۔ اُن کے متعلق درسِ حیات کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ ایک بار اپنے شیخ کی بارگاہ میں یہ خیال لے کر روانہ ہوئے کہ حضرت سے دریافت کروں گا کہ بعض بزرگوں کے متعلق جو یہ سُنا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی کئی جگہ موجود ہو جاتے تھے تو اس کی حقیقت کیا ہے۔ اب اس کے بعد کا قصہ خود مُرید کی زبانی سُنیئے۔ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"جب (وہاں) پہنچا تو نماز کا وقت تھا۔ اس زمانے میں خود حضرت نماز پڑھایا کرتے تھے۔ میں بھی جماعت میں شریک ہوا۔ نماز شروع ہوتے ہی مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے اور اس وسیع میدان میں جابجا متعدد جماعتیں صف بستہ نماز میں مشغول ہیں اور ہر جماعت کے امام حضرتؒ ہیں اور سارے کے سارے مقتدی ہر جماعت میں وہی ہیں جو اس جماعت میں تھے جس میں شامل ہو کر میں حضرت کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔

یہ دیکھ کر آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ میرے سوال کا جواب مجھ کو مل گیا۔ سارے شبہات کا ازالہ ہو گیا۔ حضرت کے روحانی تصرّف نے ایسا مشاہدہ کرا دیا کہ پھر حضرت سے پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت

باقی نہیں رہی۔" (درس حیات) ص۲۵۴)

"مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔" سے مراد نیند نہیں ہے کہ اس واقعہ کو آپ خواب کی بات کہہ کر گزر جائیں بلکہ عین حالت بیداری میں انہوں نے غیبی تصرف کا یہ تماشا دیکھا۔

اس واقعہ میں ایک طرف حضرت کی غیبی قوت ادراک کا یہ کرشمہ دیکھئے کہ عین نماز کی حالت میں انہوں نے اپنے مرید کا وہ خیال تک معلوم کر لیا جسے وہ اپنے دل میں چھپا کر لائے تھے اور معاً یہ بھی دریافت کر لیا کہ عقدہ کشائی کا طلبگار صف میں میرے پیچھے کھڑا ہے اور دوسری طرف کمال تصرف ملاحظہ فرمائیے کہ نماز شروع ہوتے ہی طلسم ہوشربا کی طرح انہوں نے اپنے مرید کو ایک میدان میں پہنچا دیا اور وہاں صاف صاف مشاہدہ کرا دیا کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں متعدد جگہ کیونکر موجود ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ اگر صحیح ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ دیوبندی مذہب کا جھوٹ فاش کرنے کے لیے کسی نئی تصنیف کی حاجت نہیں ہے۔ خود دیوبند کے اہل قلم اس خدمت کے لیے بہت کافی ہیں۔

(۵)

ایک اور حشر بپا کہانی

درس حیات کے مصنف نے ایک معتبر راوی کے حوالے سے اسی مذکور الصدر پنڈت کا ایک اور حیرت انگیز قصہ بیان کیا ہے۔ اس معتبر راوی کا بیان ہے کہ "حضرت" کے حجرۂ خاص میں میرے اور پنڈت جی کے سوا کسی کو بھی باریاب ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

راوی کہتا ہے کہ ایک دن بعد مغرب اپنے حجرۂ خاص میں حضرت تلاوت فرما رہے تھے ایک گوشے میں پنڈت جی مراقب تھے اور دوسرے گوشے میں میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پنڈت جی چیخے، پھر تڑپے پھر بے ہوش ہو گئے حضرت تلاوت روک کر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب انھیں ہوش آیا تو دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ کیا دیکھا۔ اب "کیا دیکھا" کی تفصیل خود راوی کی زبانی سنیئے:۔

"پنڈت جی نے عرض کیا کہ بادشاہ! میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہے میدان حشر میں حق تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہے۔ حساب وکتاب ہو رہا ہے مخلوق کا بے پناہ ہجوم ہے۔ آپ بھی ہیں، میں بھی ہوں۔ آپ مجھ کو پکڑے ہوئے عرش الٰہی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جب قریب پہنچ گئے تو آپ نے مجھ کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور عرش الٰہی کی طرف بڑھایا میں حق تعالیٰ کے جلال، ہیبت وعظمت سے چیخ اٹھا۔

(درس حیات صـ۳۴)

یہ تو رہا پنڈت جی کا مشاہدہ! لیکن "حضرت" نے جن الفاظ میں اس کی توثیق فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کی چیز ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ:۔

"حضرت نے یہ سن کر حسب عادت تھوڑا سا سکوت فرمایا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا مبارک ہو نور اللہ! (پنڈت جی کا نیا نام) اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتے ہو۔" (صـ۳۴)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ! نومسلم پنڈت کا مقامِ عرفان تو اپنی جگہ پر ہے لیکن سچ پوچھئے تو اس واقعہ کا سارا کریڈٹ "حضرت" کو ملنا چاہیئے جن کے فیضانِ صحبت نے ایک نومسلم پنڈت کو عالمِ غیب کا محرم بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ غیب الغیب ذات بھی اس کی نظر سے نہیں چھپ سکی جسے گیتی پر حالتِ بیداری میں آج تک کسی نے نہیں دیکھا ہے۔

اب آپ ہی ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کیجئے کہ اتنا کھلا ہوا شرک دیوبند کے ان پارساؤں نے اپنے حلق کے نیچے اتار لیا پھر بھی ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے اور ہم ایمان کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ہمارے لیے قتل کی تجویز ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(۶)

حضرت کی قبر کے عجائب و غرائب

اب تک تو حضرت کی حیاتِ ظاہری کے قصے آپ سن رہے تھے اب ان کی وفات کے بعد کے دو قصے اور سنیئے:۔ درسِ حیات کے مصنف ان کی قبر کے تصرفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"وصال کے بعد ایک مدت تک مزار شریف پر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور پانی، تیل، نمک وغیرہ قبر شریف کے پاس لے جا کر لوگ رکھ دیتے اور کچھ دیر کے بعد اٹھا لیتے۔ اس سے بکثرت لوگوں کو فوائد حاصل ہوئے۔"

(صفحہ ۳۵)

یہ تو رہا صاحبِ قبر کا تصرف، اب قبر کی مٹی کا تصرف ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:۔

وصال کے بعد لوگوں کا ہجوم جو مزار کے پاس آیا وہ پانی وغیرہ رکھتے

یا یوں کہیے کو دم کرانے کے بعد تھوڑی تھوڑی مٹی بھی ہر ایک اٹھا کر لے جانے لگا۔ چنانچہ چند روز میں ضرورت پڑ جاتی کہ دوسری مٹی مزار شریف پر ڈالی جائے۔ چنانچہ مولانا ایوب صاحب مرحوم (حضرت کے صاحبزادے) کچھ عرصہ تک جب مٹی کم ہو جاتی نئی نئی مٹی ڈال دیا کرتے۔" (ص ۳۵۵)

لکھا ہے کہ مٹی ڈالتے ڈالتے جب صاحبزادے تنگ آگئے اور روز روز کی یہ "فری ڈیوٹی" وبال جان ہو گئی تو ایک دن آزردہ خاطر ہو کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور نہایت ادب سے عرض کیا۔

"حضرت! زندگی میں تو بہت سخت تھے مگر اب مزار شریف پر یہ کیا ہونے لگا ہے۔ اب میں آخری مرتبہ مٹی ڈال رہا ہوں۔ اس کے بعد اگر گڑھا بھی پڑ جائے گا تو اب میں مٹی نہیں ڈالوں گا۔ اس سلسلے کو بند کرائیے۔"

(ص ۳۵۸)

"سخت جگر" نے مچل کر کہا تھا آخر ناز اٹھانا ہی پڑا۔ امیدوں کے بے شمار آبگینے ٹوٹ گئے لیکن "نور نظر" کا دل نہیں توڑا جا سکا۔ لکھا ہے کہ:۔

"اس کے بعد پھر کسی نے مٹی نہیں اٹھائی۔ قطعاً وہ سلسلہ بند ہو گیا اور اب کبھی مٹی ڈالنے کی نوبت نہیں آئی۔ اور پانی، تیل، نمک وغیرہ مزار شریف پر رکھ کر دم کرانے کا خیال بھی اب کسی کو نہ پیدا ہوا اور وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔" (ص ۳۵۵)

صاحبزادے نے جو کچھ کہا تھا وہ صاحبِ مزار سے کہا تھا، آنے والوں کو کس نے روکا کہ وہ یک لخت رک گئے۔ اس لیے کہنا پڑے گا کہ یہ صاحبِ مزار کا تصرف تھا کہ جب تک چاہا میلہ لگا اور جب چاہا اجڑ گیا۔ گویا اہلِ حاجت کے قلوب ان کے اپنے سینوں میں نہیں بلکہ صاحبِ مزار کی مٹھی میں بند تھے، بند کی تو جمع ہو گئے، کھول دی تو بکھر گئے۔

اب اس واقعہ کے چند اہم نکتوں پر میں آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا انصاف چاہتا ہوں۔

پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ لحد کی آغوش میں اگر کوئی متحرک، با اختیار اور فیض بخش زندگی نہیں تھی تو صاحبزادے نے خطاب کس کو کیا تھا، درخواست کس سے کی تھی اور کس کے تصرف سے اہلِ حاجت کا سلسلہ اچانک بند ہوا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مزار کے ارد گرد صاحبِ مزار کی نسبت کا اثر اگر کارفرما نہیں تھا تو قبر کی مٹی اور اس کے قریب رکھے جانے والے تیل اور پانی سے بہ کثرت لوگوں کو فائدہ کیوں پہنچ رہا تھا۔؟

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ صاحبِ مزار نے اپنی قوتِ تصرف سے جو سلسلہ بند کیا اس کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ شریعت کی طرف سے بھی اس کے بند کرنے کا مطالبہ تھا یا نہیں اگر تھا تو اس الزام کا کیا جواب ہے کہ شریعت کے کہنے پر تو نہیں کیا جب صاحبزادے نے کہا تو بند کر دیا۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں جب صاحبِ مزار کو یہ امور ناپسندیدہ تھے تو مرنے کے بعد کیونکر پسندیدہ ہو گئے؟ آخر وہاں پہنچ کر حقیقت کا کون سا نیا عرفان حاصل ہوا جس نے عقیدے کا مذاق بدل دیا۔ اور جس مشرب کے خلاف ساری زندگی لڑتے رہے

مرنے کے بعد اس کے ساتھ صلح کرنا پڑی۔

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ صاحبزادگان و متعلقین کو اگر یہ بات پہلے ہی سے معلوم تھی کہ خدمت نذر ہونے کے باعث اہل حاجت کا یہ سیلاب صاحب مزار کو پسند نہیں ہے تو انھوں نے دینی جذبے کے زیر اثر پہلے ہی دن کسے کیوں نہیں روکا۔ جب خود ڈاتے ڈاتے تنگ آ گئے تب روکنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور وہ بھی خود نہیں بلکہ صاحب مزار سے درخواست کی کہ آپ روک دیجیے۔

چھٹا نکتہ یہ ہے کہ بیٹے کی ضد پر جس قوت تصرف سے صاحب مزار نے یہ سلسلہ بند کیا، وہ قوت دوسرے اصحاب مزار کو بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو روکنے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی جب وہ نہیں روکتے تو کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگ ان تمام امور کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں اور جب صاحبین کے سارے گروہ اسے پسند کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ و رسول کے نزدیک بھی وہ پسندیدہ نہ ہو۔

(۷)

مرنے کے بعد غیبی قوت ادراک کا ایک اور قصہ

درس حیات کے مصنف نے "حضرت" کی وفات کے بعد کا ایک قصہ درج بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو "حضرت" کے متوسلین میں تھے ایک سخت مرض میں مبتلا ہوئے۔

> "جب ہر طرف سے علاج کر کے تھک گئے تو ایک روز حضرت کو خواب میں دیکھا۔ فرما رہے ہیں سلمان (حضرت کے صاحبزادے) سے کہو

ہومیو پیتھک کی فلاں دوا فلاں نمبر کی دیدے۔
یہ صبح اٹھ کر سلمان بابو کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مرض کا حال بیان کیا۔ وہ یونانی کے ساتھ ہومیو پیتھک علاج کرتے تھے۔ حالانکہ انھوں نے خواب کا واقعہ ابھی ذکر نہیں کیا تھا وہ اٹھے اور الماری میں سے وہی دوا اس نمبر کی نکال کر ان کو دیدی جو حضرت نے فرمائی تھی۔"

(صفحہ ۳۶۲)

بعد مرگ بھی اگر غیبی علم و ادراک کی قوت حضرت کو حاصل نہیں تھی تو انھوں نے قبر میں لیٹے لیٹے کیسے معلوم کر لیا کہ میرا فلاں مرید سخت مرض میں مبتلا ہو گیا ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ اسے فلاں مرض ہے اور وہ علاج سے مایوس بھی ہو گیا ہے اور یہ بھی دریافت کر لیا کہ ہومیو پیتھک میں اس کی دوا یہ ہے اور اتنے نمبر کی ہے۔ حالانکہ وہ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی نہیں تھے۔

ساتھ ہی تصرف کی یہ قوت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اپنے مرید کے پاس خواب میں تشریف بھی لائے اور ہدایت کر گئے کہ سلمان بابو سے فلاں دوا فلاں نمبر کی حاصل کر لو۔

دنیا سے اگر انصاف رخصت نہیں ہو گیا ہے تو اہل انصاف اس کا ضرور فیصلہ کریں گے کہ جب اپنے وفات یافتہ بزرگوں کے بارے میں اہل دیوبند کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں، صاحب اختیار ہیں اور ہر طرح کے تصرف کی قدرت رکھتے ہیں تو نبی اور اولیا کے بارے میں اسی عقیدے کے سوال پر سو برس سے وہ ہمارے ساتھ کیوں برسر پیکار ہیں۔ کیوں نہ کہا جائے کہ ... ہے۔ بقول ان کے خطیب ہم پر آگ برساتے ہیں کیوں؟ بس وہ گور پرست، قبر پجوا اور مشرک کہہ کر اپنے مطعون کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے آج نہیں تو کل تک ساحر ذہنیت کی توحید پرستی کا طلسم ٹوٹ کر رہے گا۔ اہل دنیا کو زیادہ دنوں تک وہ دھوکے میں مبتلا نہیں رکھ سکتے۔

ضمیر کا فیصلہ

کتاب کے خاتمے پر اب میں آپ کے ضمیر کا ایک کھلا ہوا فیصلہ چاہتا ہوں جو کسی خارجی جذبے کے زیرِ اثر ہونے کی بجائے صرف انصاف و حقیقت پر مبنی ہو۔

پچھلے اوراق میں علمائے دیوبند کے بزرگوں کے جو واقعات و حالات آپ نے پڑھے ہیں، چونکہ اس کے راوی بھی خود علمائے دیوبند ہی ہیں' اس لیے اب یہ الزام ناقابلِ تردید ہوگیا ہے کہ جن اعتقادات کو یہ حضرات انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں انہی کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کیونکر جائز ٹھہرالیا ہے۔؟

اور وہ بھی صرف کسی ایک آدھ کے بارے میں اس طرح کی روایت ہمیں ملتی تو ہم اسے سوء تفاق یا لغزشِ قلم پر محمول کر لیتے لیکن حضرت شاہ امداد اللہ صاحب سے لیکر مولوی سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل دہلوی، شاہ عبد القادر دہلوی، مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی، مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، اور مولوی حسین احمد صاحب مدنی تک، اتنے سارے دیوبندی اکابر کے متعلق ایک ہی طرح کے واقعات کا تسلسل کیا ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتا کہ جس طرح انبیاء کے حق میں انکار و نفی کے سوال پر سب متفق تھے بالکل اسی طرح گھر کے بزرگوں

کے حق میں اقرار واثبات کے سوال پر بھی سب متحد ہیں۔ نہ وہاں قلم کا کوئی نسیان تھا نہ یہاں قلم سے کوئی سہو واقع ہوا ہے۔

اب یہ ایک الگ سوال ہے کہ ایک ہی طرح کے معتقدات کو انبیاء کے حق میں انھوں نے شرک قرار دیا اور ان سے نفی کی اور انہی کو گھر کے بزرگوں کے حق میں جائز ٹھہرایا اور ان کا اثبات کیا۔

اگر واقعی وہ صفات وکمالات خدا کے ساتھ مخصوص نہیں تھے اور کسی مخلوق میں انہیں تسلیم کرنا موجب شرک نہیں تھا تو پھر انبیاء واولیاء کے حق میں شرک کا حکم کیوں صادر کیا۔؟

اور اگر وہ صفات وکمالات خدا کے ساتھ مخصوص تھے اور کسی مخلوق میں انہیں تسلیم کرنا قطعاً موجب شرک تھا تو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کیوں انہیں جائز ٹھہرایا گیا۔

ان سب سوالوں کے جوابات کے لیے میں آپ سے آپ ہی کے ضمیر کا فیصلہ چاہتا ہوں۔

اس کے علاوہ بھی اگر کوئی جواب ہو سکتا ہے تو بتایئے کہ جسے اپنا سمجھا گیا اس کے فضل وکمال کے اعتراف کے لیے نہیں بھی کوئی جگہ تھی تو بنالی گئی اور جو اپنے نہیں ہیں گو کہ اس کے اقرار واقعی محبت وشرف کے اظہار میں بھی دل کا بخل چھپایا نہ جا سکا۔

کتاب کی آخری سطر لکھتے ہوئے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنے علم واطلاع اور ایمان وعقیدت کے اخلاقی فرض سے آج سبکدوش ہو گیا۔

میں نے شواہد ودلائل کے ساتھ اپنا استغاثہ آپ کی عدالت میں پیش کر دیا ہے۔ فیصلہ دیتے وقت اس بات کا لحاظ رکھیے گا کہ قیامت تک کسی عدالت

کتب تصوف میں داخل ہو گئے ہیں۔ کسی قسم کے نتیجے سے انکار ہو تو اس جیسے [illegible]
ہیں جیسے دیوبندی حضرات کیا جاتا ہے۔ عبادات و ریاضت کی کثرت [illegible]
و ورع، کشف و کرامات کی دلیل ہیں۔ [illegible]
فضائل کا وجود اس بات کا ثبوت نہیں کہ تمام عقائد و معمولات [illegible]
ارشاد [illegible] جیسے [illegible] ہم زمانوں میں بھی [illegible] پاتا ہے کہ مجھے [illegible]
حضرات گزرے ہیں۔ مگر ان کے بعض عقائد کی بنا پر علمائے سلف نے انہیں اہل سنت
و جماعت میں شمار نہیں کیا اور بہت سے متشدد [illegible] بزرگوں نے [illegible]
بھی قرار دے ڈالا [illegible] سے ظاہر ہے کہ بریلوی یا دیوبندی بزرگ ہو جسے لیکن [illegible]
زہد و ورع، محنت و ریاضت، صاحب کشف و کرامت ہوں لیکن انہیں عمر یا عمل کسی بھی درجے
میں معصومیت کا وصف حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ مولانا اشرف
علی یا مولانا رشید احمد گنگوہی یا مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہم کی طرف [illegible]
اقوال منسوب کیے گئے ہیں جن سے شریعت انکار کرتی ہے تو یا تو منسوب کرنے والوں نے
غلطی کی ہے [illegible] یہ حضرات تصوف کی رو میں کہیں کہیں ان حدود سے باہر نکل
گئے ہیں جنہیں خود انہیں کے فتووں اور تقریروں نے متعین فرمایا ہے۔ واللہ اعلم
بالصواب۔

[illegible] کے [illegible] قلم سے [illegible] بڑی خوبصورت [illegible]

[illegible] مقصود ہے کہ [illegible] ان کی [illegible]
[illegible] اور [illegible] کا سینہ [illegible]

ہیں بھی آپ کا فیصلہ لوٹنے نہ پائے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَحِزْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

ارشد القادری

مکتبہ جام نور، جمشید پور۔ یکم ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

Printed By .

STAR OFFSET PRINTING PRESS,

Delhi, Phone : 7525901

ایمان کی پختگی کیلئے قابلِ مطالعہ کتابیں

جامع کراماتِ اولیاء — کرامات صحابہ — مقالات کاظمی

انوار احمدی — سنی بہشتی زیور — نمازیں اور دعائیں

سچی نماز — اسلام میں کرود — شمع شبستان رضا

شریعت و طریقت — جاء الحق — عقائد الاسلام

غوث الوری — زلزلہ — زیر و زبر

لالہ زار — تبلیغی جماعت — جماعتِ اسلامی

نقشِ کربلا — بیس تقریریں — احکام شریعت

دلائل الخیرات — فضائل درود — بارہ تقریریں

رہی اور کاشتکاروں کی آہیں بابِ رحمت پر سر پٹکتی رہیں۔ لیکن جب تک ان کا پاخانہ تیار نہیں ہوگیا۔ بارش کو چاروناچار رُکنا پڑا۔" صـ۲۳

اگر بار کی جگہ مُوثر کا لفظ ہوتا تو ان سطروں کو اردو ئے معلّیٰ کا بے عیب نمونہ کہہ سکتے تھے کہیں کہیں قلم نے زبان کے رُخ سے ٹھوکر بھی کھائی ہے مثلاً :۔

"ان حضرات کے تئیں فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق جس غیب دانی پر کرتے ہیں وہ اقراری کفر اپنے تھانوی صاحب کے حق میں کتنی بشاشت کے ساتھ قبول کر لیا گیا ہے۔ صـ۳۲"

تئیں کا لفظ تقریباً متروکات میں شامل ہے۔ علاوہ اس کے "قبول کر لی گئی ہے" کے بجائے "کر لیا گیا ہے" کا موقع تھا کیوں کہ مفعول "کفر" ہے جو مذکر ہے نہ کہ "غیب دانی"

کہیں کہیں اسلوبِ تحریر گھٹیا ہو گیا ہے مثلاً :۔

"اے سبحان اللہ! ذرا غلبۂ حق کی شان تو دیکھو۔" صـ۲۶

"اے" نے فقرہ کو زنانہ بنا دیا۔

اس طویل تبصرے کے بعد ہم فاضل مصنّف سے بڑے دوستانہ پیرائے میں یہ گذارش کریں گے کہ اگر ممکن ہو تو وہ کسی وقت دیوبندیت اور بریلویت وغیرہ کے سارے تخیلات کو ایک طرف رکھ کر خالص طلبِ حق کے جذبے سے دین و شریعت پر غور کریں۔ یہ سمجھنا کہ فلاں مکتبِ فکر سرتاسر باطل ہے اور ہمارا مکتبِ فکر الف سے یا تک

برحق ہے آدمی کو بے میل حقائق تک نہیں پہنچاتا۔ ایمان و اسلام کے سرچشمے قرآن وسنت ہیں نہ کہ کسی شیخ طریقت کے اقوال و اعمال۔ اس سے قبل کہ ہم شاہ عبدالقادر جیلانی یا خواجہ اجمیری یا فلاں فلاں اولیاء و اقطاب کے حال و قال پر وجد کریں اور عقائد کے لیے ان سے دلائل و قرائن نکالیں ہمیں خالی الذہن ہو کر اللہ اور رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنانا چاہیے اور دیانتدارانہ غور و فکر کے بعد جو اصول و عقائد وہاں سے دستیاب ہوں، انھیں حرف آخر قرار دے کر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہی اصل کسوٹی ہے جس پر گھس کر کھرے اور کھوٹے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کسوٹی پر کھوٹا ثابت ہونے والا مال خواہ جنید و شبلی یا عطار و رومی کا ہو وہ بہرحال کھوٹا ہے اور اس کسوٹی پر کھرا ثابت ہونے والا سکہ خواہ خوارج معتزلہ کے بازار کا ہو وہ بہرحال کھرا ہے۔ یہی ہے اعتصام بالکتاب والسنۃ، یہی ہے وہ ذہن جس کی تربیت قرآن نے یہ کہہ کر دی ہے کہ جب معاملہ میں نزاع ہو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہی ہے وہ اصول محکم جسے ان لفظوں میں ادا کیا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول ہی معیار حق ہیں اور کوئی فرد دنیا کے پردے پر نہیں جو شریعت حقہ کے لیے کسوٹی اور دھرم کانٹے کی حیثیت رکھنے والا ہو۔

"زلزلہ" تصنیف کر کے اگر وہ یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ بریلوی عقائد کی سند دیوبندی علماء سے مل جانے کے بعد بریلوی عقائد کی صحت قطعی ہو گئی ہے تو یہ ایک مغالطہ ہوگا جس میں ان جیسے معقولیت پسند کو ہرگز نہ پھنسنا چاہیے۔ غلو ئے عقائد بفرق مراتب دونوں گروہوں میں ہے اور قرآن وسنت کے نصوص اس غلو پر خطِ تنسیخ کھینچتے ہیں آخرت میں کم استعداد کے بے عقل لوگ تو ممکن ہے تقلید جامد کے عذر پر

معاف کردیے جائیں۔ مگر موصوف جیسے فہیم اور ذی استعداد بندوں کو اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ ایسی توقع اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فہم سلیم، درعلم وخبر کی ناشکری ہوگی۔

جواب تبصرہ

مراسلہ بنام مولانا عامر عثمانی مدیر "تجلی" دیوبند

وسیع الالقاب جناب مولانا عامر عثمانی، مدیر "تجلی" زید کرمہ

بعد ما ہو المسنون

اُمید ہے آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

سفر حج و زیارت سے واپسی کے بعد "زلزلہ" پر آپ کا طویل تبصرہ پڑھا اس درمیان میں کئی بار ارادہ کیا کہ آپ کو خط لکھ کر شکریہ ادا کروں، لیکن ہر بار کوئی اہم مصروفیت حائل ہو گئی۔ آج طے کر کے بیٹھا ہوں کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے اپنے اخلاقی فرض سے سبکدوش ہو کر ہی اٹھوں گا۔

بہر حال تبصرہ کے بعض حصوں سے اختلاف کے باوجود یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس فراخدلی کے ساتھ آپ نے میری کتاب کے ساتھ اعتنا فرمایا ہے۔ اس کے لیے میری طرف سے پُر خلوص شکریہ قبول فرمائیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی جماعت کے "محفوظ مفادات کے خلاف قلم اٹھا کر

آپ نے انتہائی جرأت مندانہ کردار کا مظاہرہ کیا ہے۔ کہیں کہیں تو جذبات کے تلاطم میں آپ کے قلم کا تیور اتنا غضبناک ہو گیا ہے کہ بس یہ آرزو مچل اٹھی ہے کہ کاش تحریر کو آواز مل جاتی۔

بارِ خاطر نہ ہو تو ذیل کی معروضات ملاحظہ فرمائیں جو آپ کے تبصرہ کے مطالعہ کا ایک تنقیدی جائزہ ہے۔ یقین کیجئے کہ اس کے پیچھے کسی قلمی پیکار کے آغاز کا قطعاً کوئی جذبہ نہیں ہے۔ بلکہ نیک نیتی کے ساتھ میں اپنی ذاتی واردات سے صرف اس لئے آپ کو مطلع کر رہا ہوں تاکہ آپ اپنے تبصرہ کے بعض حصوں سے متعلق میرے ردِ عمل کا اندازہ لگا سکیں۔

آپ نے اپنی جماعت کے اکابر پر میرے عائد کردہ الزامات کی صفائی میں تصوف کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :۔

> مرحوم علمائے دیوبند صرف عالم ہی نہیں تھے۔ بلکہ صوفی اور شیخ بھی تھے۔ تصوف کتنا محتاط کیوں نہ ہو وہ اپنے ساتھ کشف و کرامت اور تحیرات و تصرفات کے طلسم خانے ضرور لاتا ہے۔"
>
> تجلی ڈاک نمبر بابت ماہ مئی ۶۳ء دیوبند صـ۹۳

اور تصوف کی مذمت کا یہ سلسلہ اس حصے پر آ کر تمام ہوا ہے۔

> "اور قرآن و سنت کو معیار بنانے والے ناقدین کی زبان میں یہ کہئے

مجبور ہو جاتی ہیں کہ تصوف نشہ ہے ، سفسطہ ہے شریعت کا دشمن ہے ۔ " (صـ۹۳)

آپ کے ارشاد کے مطابق تصوف شریعت کا اس لیے دشمن ہے کہ وہ کشف و کرامت اور تجربات و تصرفات کے طلسم خانے اپنے ساتھ ضرور لاتا ہے ۔ لیکن اسی مضمون میں دو ہی تین صفحے کے بعد آپ کے قلم سے جو یہ عبارت صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوئی ہے ۔ اس میں بھی تو یہ طلسم خانہ اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ موجود ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔

" ہم نہ تو انبیاء علیہم السّلام کی لغوی غیب دانی کے انکاری ہیں نہ اولیاء اللہ کے کشف و کرامت کو خالص افسانہ تصوّر کرتے ہیں ۔ بلا شبہ اولیاء اللہ کو صفائے قلب کے نتیجے میں بے شمار مغیبات کا ایسا علم ہوتا ہے جسے شہود کہا جائے تو غلط نہیں ۔ اور ان کی روحانی قوتیں کسی نہ کسی حد تک تصرف کی استعداد بھی رکھتی ہیں ۔ "

تجلی صـ۹۷

آپ کی اس تحریر کے بموجب ، جب اولیاء اللہ کا کشف و کرامت افسانہ نہیں بلکہ امر واقعہ ہے اور صفائے قلب کے نتیجے میں بیشمار مغیبات کا علم بھی ان کی قوت قدسیہ کا ایک جانا پہچانا معمول ہے اور روحانی قوتوں کے ذیل میں تصرفات کی استعداد بھی ان کا قرار واقعی وصف ہے تو پھر بتایا جائے کہ غریب تصوف پر اب شریعت دشمنی کا الزام کیونکر درست ہے ۔ البتہ شریعت کا دشمن ہی کسی کو قرار دینا ہے تو اُسے کیوں نہ

قرار دیجئے۔ جو اولیاء اللہ کی ذات میں یہ "طلسم خانہ" بطور امر واقعہ کے تسلیم کرتا ہے۔ اور تصوف کو موقعہ دیتا ہے کہ وہ اس کا اشتہار کرے۔

قرآن وسنت کو معیار بنانے والوں میں آپ کی جو ممتاز حیثیت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس لیے آپ کے متعلق یہ شبہہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اولیاء اللہ کے حق میں کشف وکرامت اور تصرف وغیب دانی سے متعلق اپنے جس مثبت عقیدے کا اظہار فرمایا ہے وہ تصوف کے زیر اثر ہوگا۔ بلکہ کہنا پڑے گا کہ اس خصوص میں جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے وہ قرآن وسنت کے عین مطابق اور شریعت اسلامی کا عین مطلوب ہے۔

میری جسارت معاف فرمائیں تو عرض کروں گا کہ یہاں پہنچ کر بات الٹ گئی اب شریعت کا دشمن تصوف نہیں رہا۔ کیونکہ وہ جو کچھ بھی اپنے ہمراہ لاتا ہے وہ تو شریعت کا عین مطلوب ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اب آپ ہی بتایئے کہ جو اسے شریعت کا دشمن کہتا ہے اسے کیا کہا جائے۔

یہاں تو آپ نے انبیاء کے حق میں لغوی غیب دانی کا اعتراف کیا ہے۔ لغوی غیب دانی سے آپ کی کیا مراد ہے اسے تو آپ ہی بتائیں گے۔ لیکن عام مخلوق کے لیے "بے قید علم غیب" کے اعتراف میں آپ کے قلم سے نکلی ہوئی اس سے بھی زیادہ واضح عبارت میرے پیش نظر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کو اگر بعض غیب کی باتیں معلوم ہوئیں تو ان کا ذریعہ وحی یا الہام

یا القا رتھا اور ہم لوگوں کا ذریعہ علم الحساب، قیاس، منطق اور علم ہیئت وغیرہ ہے۔ یہ فرق ذرائع کا فرق ہے۔ اصل واقعہ دونوں جگہ موجود ہے یعنی غیب کا علم۔ جو واقعہ ابھی پیش نہیں آیا کل پرسوں پیش آئے گا۔ وہ فی الحال غیب ہی ہے۔ لہٰذا جزوی معنیٰ میں ہم سب بفرق مراتب عالم الغیب ہیں۔" تجلی باب الاستفسار بابت ستمبر ۶۶ء

اس عبارت پر فکر و اعتقاد کے مختلف گوشوں سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ انبیاء و اولیاء کے حق میں علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی لفظ عالم الغیب کے اطلاق کو خدا کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور غیر خدا پر اس لفظ کا اطلاق حرام قرار دیتے ہیں۔

لیکن آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں نہ صرف یہ کہ بے قید علم غیب کا عقیدہ جملہ مخلوقات کے حق میں تسلیم کر لیا ہے بلکہ لفظ "عالم الغیب" کے اطلاق کی خصوصیت بھی خدا کے ساتھ باقی نہیں رہنے دی یہی بات اگر تصوف کی زبان سے ادا ہوتی تو نہیں کہہ سکتا کہ اس غریب کی پشت پر کتنے تازیانے برستے۔ لیکن وہی بات آپ فرما رہے ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ آپ کتاب وسنت کے معیار سے ہٹ گئے۔

تصوف کو علی الاطلاق شریعت کا دشمن کہتے ہوئے آپ کو یہ ضرور محسوس کرنا چاہیے تھا کہ اس حملے کی ضرب کہاں کہاں پڑے گی۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ یہ دعویٰ کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔ امام الطائفہ حضرت خواجہ حسن بصری

رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک جن جن بزرگوں نے تصوف کی آبیاری کی ہے۔ وہ قرآن و سنت کو معیار بنانے والوں میں نہیں تھے۔ اور انھوں نے یکے بعد دیگرے صدیوں تک شریعت کے ایک دشمن کو اپنے اپنے سینے سے لگائے رکھا تھا۔

واضح رہے کہ چند جاہل اور مکّار صوفیوں کے غلط کردار کی بنیاد پر تصوف کو شریعت کا دشمن کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے چند عیّار و بداطوار علماء کے غلط کردار کی بنیاد پر کوئی علم دین ہی کو شریعت کا دشمن کہنے لگے۔

تصوّف کی مذمت پر اپنے دل کی بے چینیوں کے اظہار کے بعد اب ایک دلچسپ مقدمہ آپ کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں اور آپ سے آپ ہی کے خلاف انصاف چاہتا ہوں۔ میرا اپنا گمان ہے کہ آپ کے لیے تاریخ صحافت میں شاید یہ پہلا موقع ہوگا جب آپ خود اپنے خلاف قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کریں گے۔'

بات کسی جاہل و بے دین صوفی کی نہیں جو قبوری شریعت پر یقین رکھتا ہے، بلکہ آپ جیسے تصوّف دشمن اور توحید پرست عالم کی ہے جو کتاب و سنّت ہی کو معیارِ حق سمجھتا ہے۔ اور بات بھی کشف و کرامت، غیب دانی، اور تصرّف کی نہیں جسے غیر اللہ کے حق میں آپ بھی تسلیم کر چکے ہیں بلکہ بات اس سجدۂ نیاز کی ہے جس کا غیر اللہ کے حق میں حرام ہونا ہمارا اور آپ دونوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔

بات کئی سال پیشتر کی ہے۔ شاید آپ کے حافظے میں موجود ہو۔ اور نہ ہو تو ۱۹۶۳ء بابت ماہ فروری ۶۳ء کے تجلی کا فائل نکالیے اور اس کے صفحہ ۴۵ پر

نظر ڈالیے۔ آپ کے ایک مضمون کی بابت شاید کسی نے آپ کو لکھا تھا کہ آپ نے مولانا مودودی پر چوٹ کی ہے۔ اس کے جواب میں آپ کے قلم نے آپ کے مجروح جذبۂ عقیدت کی جو تصویر اتاری تھی وہ یہ ہے:۔

"وہ شخص مولانا مودودی پر کیا چوٹ کرے گا۔ جس نے مولانا موصوف کی خداداد عظمت وعبقریت کے آستانے پر دن کی روشنی میں سجود نیاز لٹائے ہوں۔" (تجلّی ص۵۴ فروری ۶۳ء)

یقین کیجئے..... بات کسی صوفی اور شیخ کی ہوتی تو ہم اپنے دل آزردہ کو سمجھا لیتے کہ تصوف چونکہ نشہ ہے، سفسطہ ہے شریعت کا دشمن ہے۔ اس لیے صوفی اگر خدا کا آستانہ چھوڑ کر اپنے کسی ممدوح کے آستانے پر سجود نیاز بجا لاتا ہے تو اس میں چنداں تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ نشے میں بہک جانا تو انسان کی سرشت ہے۔ اور جب سود وزیاں کا شعور ہی سلب ہوگیا ہو تو کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے رات کی تاریکی اور دن کا اُجالا دونوں برابر ہے۔

لیکن اس حادثے کا سب سے بڑا ماتم تو یہ ہے کہ مولانا مودودی کے آستانے پر سجدہ ریز پیشانی کسی بدمست صوفی کی نہیں، کسی قبر پرست مجاور کی نہیں بلکہ نظام شریعت کے ایک عظیم محتسب کی ہے اور کتاب وسُنّت کو معیار بنانیوالے وقت کے سب سے بڑے نقاد مولانا عامر عثمانی کی ہے۔

وہاں تو "مرحوم علمائے دیوبند" صوفی اور شیخ تھے اس لیے سارا الزام تصوّف کے سر ڈال کر بات رفع دفع کر دی گئی۔ لیکن یہاں غیرت اسلامی

پوچھتی ہے کہ عقیدۂ توحید کے اس تازہ خون کا الزام کس کے سر ڈالا جائے ؟

اور پھر غیر اللہ کے آستانے پر سجدۂ نیاز کا یہ واقعہ ایک ہی بار کا نہیں ہے کہ اُسے اتفاقی حادثہ کہہ کر بات رفع دفع کر دیجیے۔ بلکہ کچھ ہی عرصے کے بعد پھر مولانا عامر عثمانی کی پیشانی ہم ایک اور آستانے پر سجدہ ریز دیکھتے ہیں۔ بہت ممکن ہے۔ یہ واقعہ بھی آپ کے حافظے سے نکل گیا ہو اس لیے یاد دلائے دیتا ہوں۔ تجلّی کا حاصل مطالعہ نمبر اگر آپ کے قائل ہیں ہو تو آپ نے کھولیے اور مولانا وحید الدین خاں صاحب کی کتاب "علم جدید کا چیلنج" پر آپ اپنا یہ تبصرہ پڑھیے۔

> "اور آج جب اُن کی تازہ کتاب کو خدمتِ حق کا ایک انمول نمونہ تصور کرتے ہوئے ہم اپنے علم کی جبین نیاز ان کی بارگاہ میں جھکا رہے ہیں تو یہ سجدۂ بے اختیار ان کی ذات کو نہیں، اُس حق کو ہے جس کے آگے پوری کائنات خواہی نخواہی سجدہ ریز ہے۔" صفا

اپنے کسی ممدوح کی بارگاہ میں سجدۂ بے اختیار کے جواز کے لیے یہ دلیل اگر قابلِ قبول ہو تو مزار کی چوکھٹ کا بوسہ لیتے ہوئے بدمست صوفی بھی تو یہی کہتا ہے کہ میری جبین عقیدت کا یہ خراج صاحب مزار کی ذات کو نہیں بلکہ اُس جلوۂ حق کو ہے جس کے آگے خواہی نخواہی ساری کائنات سجدہ ریز ہے۔

پھر انصاف کا خون ہی تو یہ کہلائے گا کہ ایک ہی دلیل آپ کے حق میں صرف اس

لیے قبول کرلی جائے کہ آپ تصوف کے دشمن ہیں اور صوفی کو اس لیے دار پر چڑھا دیا جائے کہ وہ غریب تصوف کا حامی ہے۔

تبصرے کے خاتمے پر آپ نے دوستانہ پیرائے میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

> "یہ سمجھنا کہ فلاں مکتبِ فکر سرتاسر باطل ہے اور ہمارا اپنا مکتبِ فکر الف سے یا تک برحق ہے، آدمی کو بے میل حقائق تک نہیں پہنچاتا۔"
>
> (تجلّی ڈاک نمبر)

معلوم نہیں کس عالم میں آپ نے یہ عجیب وغریب نکتہ سپردِ قلم فرمایا ہے۔ بات بالکل اسٹیٹ لائن کی ہے کہ کسی بھی مکتبِ فکر کو کوئی عاقل وخداترس آدمی یہی سمجھ کر قبول کرتا ہے کہ وہ کل کا کل برحق ہے۔ اگر اس کے علم واعتقاد میں کل کا کل برحق نہ ہو بلکہ کچھ برحق ہو اور کچھ باطل ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے مکتبِ فکر سے وہ منسلک ہی کیوں ہوگا۔ اور اگر اس علم و شعور کے بعد بھی وہ منسلک ہے تو بلاشبہہ وہ اپنے دین میں مخلص نہیں بلکہ فاسد اغراض کا شکار ہے۔

میرا اپنے مکتبِ فکر کے بارے میں یہی اعتقاد ہے۔ البتہ آپ جس مکتبِ فکر سے وابستہ ہیں ارشاد فرمائیے کہ وہ آپ کی نظر میں کیا ہے۔ کل کا کل برحق یا بعض برحق اور بعض باطل؟ یہ آپ کہہ نہیں سکتے کہ کل کا کل برحق ہے۔ کیوں کہ یہ اپنی تکذیب آپ

ہو گی۔ اس لیے کہنا پڑے گا کہ بعض باطل ہے اور بعض برحق ہے۔ اب اس الزام کا جواب آپ ہی کے ذمہ ہے کہ دیدۂ دانستہ آپ ایک ایسے مکتب فکر سے کیوں منسلک ہیں۔ جس میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ کسی دوسرے مکتب فکر کو ہم سرتاسر باطل نہ سمجھیں جب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ وہ باطل ہے، ناقابل قبول ہے واجب الرد ہے۔ کیوں کہ باطل و حق کا مجموعہ کبھی حق نہیں ہو سکتا۔

یہ نکتہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ نے اپنے طور پر ایک نہایت دل آویز اور حکیمانہ نصیحت مجھے تحریر فرمائی ہے:۔

> " ایمان و اسلام کے سرچشمے قرآن و سنت ہیں نہ کہ کسی شیخ طریقت کے اقوال و اعمال۔ اس سے قبل کہ ہم شاہ عبدالقادر جیلانی یا خواجہ اجمیری یا فلاں فلاں اولیاء و اقطاب کے حال و قال پر وجد کریں، در عقائد کے لیے ان سے دلائل و قرائن نکالیں، ہمیں خالی الذہن ہو کر اللہ و رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنانا چاہیئے۔" ص ۹۹

یاد آتا ہے کہ مولانا مودودی نے بھی کہیں اسی طرح کے خیال کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا ہے۔ " میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن و سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔"

بُرا نہ مانیے تو عرض کروں کہ سُنّت رسول سے منحرف کرنے کے لیے جس

اسپرٹ میں منکرین حدیث گفتگو کیا کرتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ ہماری ذہنی وابستگی کے خلاف اہلِ حدیث حضرات نے جو شیوہ اختیار کر رکھا ہے کم و بیش وہی طریقہ اکابرِ اُمّت سے ہمیں بے تعلق کرتے کے لیے آپ حضرات استعمال فرما رہے ہیں۔

جہاں تک قرآن و سُنّت اور اللہ و رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکزِ فکر بنانے کا سوال ہے اس حقیقتِ کبریٰ سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن دراصل بحث قرآن و سُنّت کے الفاظ و عبارت میں نہیں ان کے مدلولات و مفاہیم میں ہے۔ غیر منصوص مسائل میں دلائل کے استخراج اور نصوص کے معانی و مطالب کے تعین کا مرحلہ بغیر اشخاص و رجال کی رہنمائی کے نہیں طے پا سکتا ہے۔ خود مولانا مودودی نے بھی تو تفہیم القرآن اور تفہیم الحدیث تصنیف کر کے یہی خدمت انجام دی ہے اور آپ بھی تجلی کے باب الاستفسار میں ہر ماہ یہی فریضہ انجام دیا کرتے ہیں۔

پھر یہ کتنے قلق کی بات ہے کہ ایک طرف تو آپ حضرات ماضی کے اشخاص کے لیے یہ حق تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ اُن سے کوئی دین سمجھے اور دوسری طرف کتابیں تصنیف فرما کر خود اپنی بابت ہم سے یہ حق تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ دین سمجھنے کے لیے ہم آپ کی طرف رجوع کریں۔ ظاہر ہے کہ کتابوں کی تصنیف یا مسائل کے جواب میں ورق کے ورق سیاہ کرنے کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ دین سمجھنے کے لیے لوگ آپ کے ارشادات پر عمل کریں۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن و سُنّت کی تفہیم اور دین کی تشریح کے سلسلے میں مولانا مودودی کے فکر و صوابدید پر اعتماد کر کے یا مسائل کے جواب میں آپ کے رشحاتِ قلم پر بھروسہ کر کے اگر ہم قرآن و سُنّت کے تارک قرار نہیں دیئے جا سکتے

تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ چند صدی پیچھے ہٹ کر قرآن و سنت کی تفہیم اور اسلام کی تشریح کے سلسلے میں اگر ہم ماضی کے اشخاص کی اصابت رائے پر اعتماد کرلیں تو ہم پر قرآن و سنت سے انحراف کا الزام کیونکر عائد ہوجائے گا۔ آخر تجلّی کے اسی ڈاک نمبر میں آپ ہی کے قلم سے تو یہ تحریر ثبت ہوئی ہے:۔

> "تمام دوسرے مسلمانوں کی طرح احناف بھی قرآن و سنت ہی کو معیار مانتے ہیں ان کا ایمان یہ ہے کہ سوائے خدا و رسول کے کسی کا اتباع واجب نہیں اور فقہا کی تقلید خدا و رسول ہی کے احکام تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔" صہ۲۶

کتنی عجیب بات ہے کہ جس طنز کا جواب آپ نے اپنی اس تحریر کے ذریعہ دے کر ایک قابلِ تحسین خدمت انجام دی ہے۔ وہی طنز ہم پر دہراتے ہوئے آپ کو ذرا بھی زحمت پیش نہیں آئی۔

میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدانخواستہ حضرت غوث اعظم جیلانی اور حضرت خواجہ بزرگ اجمیری اور دیگر اولیا و اقطاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے آپ کے دل میں تکدر کا کوئی جذبہ موجود ہے۔ لیکن اتنی بات کہنے کی اجازت ضرور چاہوں گا کہ قرآن و سنت کی تفہیم اور دین کی تشریح کے سلسلے میں آپ کے نزدیک ان بزرگوں کی اتنی بھی حیثیت نہیں ہے جتنی تفہیم القرآن اور تفہیم الحدیث کے مصنف کی، یا تجلّی کے باب الاستفسار کے مجیب کی۔

ویسے اس شکایت کے باوجود آپ کے قلم کا یہ حق اپنی جگہ پر ہے کہ دین کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں ان بزرگوں سے متعلق قرآن و سنت سے انحراف کی کوئی روایت آپ تک پہنچی ہو تو برملا اس کی نشاندہی فرمایئے یا ہم نے قرآن و سنت کے علاوہ کسی قول کو اپنا مرکزِ فکر بنایا ہو تو اسے بھی متعین طور پر واضح کیجئے۔

قرآن و سنّت کو کسوٹی کی حیثیت میں پیش کرتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

> "اس کسوٹی پر کھوٹا ہونے والا مال خواہ جنید و شبلی یا عطار و رومی کا ہو وہ بہرحال کھوٹا ہے اور اس کسوٹی پر کھرا ثابت ہونیوالا سکہ خواہ خوارج و معتزلہ کے بازار کا ہو وہ بہرحال کھرا ہے۔"

اس عبارت میں بیان کا پس منظر چاہے کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ لیکن اندازِ بیان نہایت دلخراش اور پُرشوخ جسارت کا حامل ہے۔ ہرچند کہ تمثیل کے لیے مفروضات کا میدان بہت وسیع ہے۔ لیکن اس تمثیلی تقابل میں اظہارِ مقصود سے زیادہ "ذاتی حیثیت عرفی" کا جذبہ نمایاں ہوگیا ہے۔

کاش آپ کا قلم حقائق کی تعبیر میں شیوۂ آداب کا بھی لحاظ رکھتا تو یقین کیجئے کہ آپ کے قلمدان سے بجائے مومنین کے قلوب میں اس کے لیے جگہ ہوتی۔

آپ نے اپنے تبصرے کے آخری پیرائے میں مجھے نصیحت کرتے ہوئے تحریر

فرمایا ہے :

"زلزلہ" تصنیف کرکے اگر وہ (یعنی مصنف) یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ بریلوی عقائد کی سند دیوبندی علماء سے مل جانے کے بعد بریلوی عقائد کی صحت قطعی ہوگئی تو یہ ایک مغالطہ ہوگا۔ جس میں اُن جیسے معقولیت پسند کو ہرگز نہ پھنسنا چاہیئے۔ غلوئے عقائد بفرقِ مراتب دونوں گروہوں میں ہیں۔"

خدا شاہد ہے کہ "زلزلہ" تصنیف کرتے وقت یہ بات میرے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھی کہ میں دیوبندی علماء سے اپنے عقائد کی سند حاصل کرنے جارہا ہوں۔ بلکہ اس کتاب کی تصنیف سے میرا مدعا صرف اتنا تھا اور ہے کہ دیوبندی علماء جو توحید و سنّت کے تنہا اجارہ دار بن کر دوسروں کو مشرک سمجھتے ہیں۔ اُنہیں دُنیا کے سامنے اچھی طرح بے نقاب کردیا جائے کہ اپنے کردار کے آئینہ میں وہ خود کتنے بڑے مشرک ہیں۔ جیسا کہ اپنی کتاب کے صلا۳ پر میں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے۔ میرے الفاظ یہ ہیں:۔

"سچ پوچھئے تو اسی طرح کی خود فریبیوں کا جادو توڑنے کے لیے میرے ذہن میں زیر نظر کتاب کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا کہ اصحابِ عقل و انصاف واضح طور پر یہ محسوس کرلیں کہ جو لوگ دوسروں پر شرک کا الزام عائد کرتے ہیں وہ اپنے نامۂ اعمال کے آئینے میں

خود کتنے بڑے مشرک ہیں؟"

اور خدا کا شکر ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے لاکھوں افراد نے اپنے خیالات کی مدد کی ہے اور بیشمار اشخاص نے دیوبندی مکتب فکر کے متعلق اپنے حسن ظن کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ کتاب کی اشاعت کو ایک سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا۔ لیکن ملک کے طول و عرض سے ایک تحریر بھی مجھے ایسی نہیں موصول ہوئی جس میں یہ چیلنج کیا گیا ہو کہ کتاب کے حوالے غلط دیئے گئے ہیں یا اُن حوالوں میں سے جو میں نے نتائج اخذ کیے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ آپ نے بھی تذکیر و تانیث وغیرہ کی غلطی کے علاوہ جو در اصل کتابت کی غلطی ہے خود حجت در کتاب کے مرکزی فکر کے متعلق اپنے کسی اختلاف کا اظہار نہیں فرمایا ہے۔

اب باقی رہ گیا اپنے عقائد کی صحت کے لیے سند تلاش کرنے کا مرحلہ تو اس کی احتیاج انہیں لوگوں کو پیش آسکتی ہے جو بے سند ہوں اور یہاں تو خدا کا شکر ہے کہ ائمۂ دین و ملت کے توسط سے کتاب و سنت کی سند بہت پہلے سے ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اب مزید کسی سند کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور وہ بھی معاذ اللہ علمائے دیوبند کی سند جو خود الزامات کی زد میں ہیں۔

جذبات کی رو میں خط بہت طویل ہو گیا جس کے لیے معذرت چاہتا ہوں زندگی نے وفا کیا تو پھر ملاقات ہوگی

آپ کا مخلص

ارشد القادری

مکتبہ جام نور۔ جمشید پور

۵ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

نقل مراسلہ حکومت امریکہ بابت "زلزلہ"
یونائیٹڈ اسٹیٹ لائبریری آف کانگریس

مسٹر ارشد القادری

مصنف "زلزلہ" مکتبہ جام نور ۔ جمشید پور

عالی جناب!

لائبریری آف کانگریس ، دیگر انیس تحقیقاتی لائبریریوں کے لیے جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کام کر رہی ہیں. یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے ۔ اس ادارہ میں تمام امریکی دارالمطالعے شرکت کر رہے ہیں۔ اس پروگرام میں شامل ہونے والے تمام امریکی دارالمطالعے واشنگٹن کی لائبریری آف کانگریس میں ایک مرکزی فہرست مرتب کرنے کا منصوبہ رکھتے ہیں متحدہ کوشش سے یہ ممکن ہے کہ تمام شامل ہونے والے دارالمطالعے اپنے قارئین کے لیے ہندوستانی کتابیں منظر عام پر لاسکیں۔

ہم نے "زلزلہ" نام کی ایک کتاب حاصل کی ہے جس کے مصنف آپ ہیں۔ اس کتاب کو فہرست میں ترتیب دینے کے لیے ہمیں چند معلومات کی ضرورت ہے جو ہرشتہ "ان لینڈ" پر فراہم کی جائیں گی ۔ یہ معلومات آپ کے نام کو امریکی دارالمطالعہ کی فہرست میں دوسرے ناموں سے ممتاز کرنے کے لیے استعمال کی جائیں گی۔ چونکہ ہم بذات خود

آپ کی تصنیف کے متعلق کوئی صحیح معلومات ترتیب نہیں دے سکتے۔ اس لیے ساتھ والے فارم کو اگر آپ اپنی اوّلین فرصت میں پُر کرکے ارسال کردیں تو عین نوازش ہوگی۔

مسز۔ ای۔ ایس۔ گپتا
اسسٹنٹ فیلڈ ڈائریکٹر لائبریری آف کانگرس
(پی۔ ایل۔ ۴۸۰ پروگرمس ساؤتھ ایشیا)۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سببِ تالیف

میری یہ کتاب کسی خاص عنوان پر کوئی فنی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ ایک استغاثہ ہے جسے میں نے قوم کی عدالت میں پیش کیا ہے۔ استغاثہ کا مضمون یہ ہے کہ ہندوپاک میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت انبیاء اولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا نے ان نفوسِ قدسیہ کو غیبی علم و ادراک کی مخصوص قوت عطا کی ہے۔ جس کے ذریعے انہیں مخفی امور اور چھپے ہوئے احوال کا انکشاف ہوتا ہے۔

یوں ہی خدائے قدیر نے انھیں کاروبارِ ہستی میں تصرف کا بھی اختیار رحمت فرمایا ہے جس کے ذریعے وہ مصیبت زدوں کی دستگیری اور مخلوق کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔

اب اس سلسلے میں علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ انبیاء و اولیا کے حق میں اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک اور کفر ہے۔ خدا نے نہ انہیں علم غیب عطا کیا ہے اور نہ تصرف

کا کوئی اختیار بخشا ہے۔ وہ معاذ اللہ بالکل ہماری طرح مجبور بے خبر و نادان بندے ہیں خدا کی چھوٹی یا بڑی کسی مخلوق میں بھی جو اس طرح کی کوئی قوت تسلیم کرتا ہے وہ خدا کی صفات میں اُسے شریک ٹھہراتا ہے۔ ایسا شخص توحید کی لذت سے محروم ہے منکر اور قرآن وحدیث کا باغی ہے۔

استفتاء پیش کرنے کا موجب یہ امر ہے کہ علمائے دیوبند کا یہ مسلک اگر قرآن وحدیث پر مبنی ہے تو اُنہیں ہر حال میں اس پر قائم رہنا چاہیے تھا۔ یعنی جن عقیدوں کو انھوں نے انبیا و اولیاء کے حق میں شرک سمجھا تھا اُنہیں ساری مخلوق کے حق میں شرک سمجھنا چاہیے تھا۔ لیکن یہ کیسا اندھیر ہے اور عقیدۂ توحید کے خلاف یہ کتنی شرمناک سازش ہے کہ ایک طرف وہ جن باتوں کو قرآن وحدیث کے حوالے سے انبیاء و اولیا کے حق میں شرک اور مخالفت توحید قرار دیتے ہیں دوسری طرف وہ ان ہی باتوں کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام قرار دیتے ہیں۔

اس کتاب کے مندرجات کے ذریعہ میں مسلمانوں کی عدالت سے صرف اس بات کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جن باتوں کو علمائے دیوبند انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں۔ اگر قرآن وحدیث کی رُو سے واقعتًا وہ شرک ہیں تو پھر انھوں نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں اُسے کیوں جائز ٹھہرا لیا ہے۔ اور اگر قرآن وحدیث کی رُو سے وہ شرک نہیں ہیں تو انبیاء و اولیاء کے حق میں اُنھوں نے کیوں اُسے شرک قرار دیا ہے۔

تصویر کے پہلے رُخ میں دیوبندی لٹریچر کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دیوبندی حضرات انبیاء و اولیاء کے حق میں علم غیب اور قدرت و تصرّف کا

عقیدہ شرک اور منافی توحید سمجھتے ہیں۔ اور تصویر کے دوسرے رُخ میں انہی کتابوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ علمائے دیوبند اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں علمِ غیب اور قدرت و تصرّف کا عقیدہ شرک اور منافی توحید نہیں سمجھتے ہیں۔

ارشد القادری
یکم ربیع الاوّل ۱۳۹۲ھ

نوٹ:۔ تصویر کے دونوں رُخوں میں دیوبندی کتابوں کے جتنے حوالے دیئے دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حوالہ بھی غلط ثابت کرنے پر دس ہزار روپے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

تصویر کا پہلا رُخ

دیوبندی جماعت کے اِمام اوّل مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں :۔

(۱) "جو کوئی یہ بات کہے کہ پیغمبر خدا یا کوئی امام یا بزرگ غیب کی بات جانتے تھے اور شریعت کے ادب سے مُنہ سے نہ کہتے تھے سو وہ بڑا جھوٹا ہے بلکہ غیب کی بات اللہ کے سوا کوئی جانتا ہی نہیں۔" (تقویۃ الایمان) ص۲۷)

(۲) کسی انبیاء اولیاء یا امام و شہید کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ اُن کی تعریف میں ایسی بات کہے۔" (تقویۃ الایمان ص۲۹)

(۳) جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا کچھ علم ہے کہ جب میں چاہوں اس سے غیب کی بات معلوم کر لوں اور آئندہ باتوں کو معلوم کر لینا میرے قابو میں ہے۔ سو وہ بڑا جھوٹا ہے کہ دعویٰ خدائی کا کرتا ہے اور جو کوئی کسی نبی، ولی یا جن و فرشتہ کو امام، امام زادے یا پیر و شہید، نجومی، رمال یا جفار کو یا فال دیکھنے والے کو یا برہمن اشٹی کو یا بھوت و پری کو ایسا جانے اور اس کے حق میں یہ عقیدہ رکھے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۲۱)

(۴) اور اس بات میں (یعنی غیب کی بات نہ جانے میں) اولیاء انبیاء اور جن شیطان اور بھوت و پری میں کچھ فرق نہیں۔" (تقویۃ الایمان ص۸)

(۵) "جو کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے اور دور و نزدیک سے پکارا کرے...... یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں زبان سے یا دل سے یا اس کی صورت کا یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں تو وہیں اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، اور جو مجھ پر احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری و تندرستی و کشائش و تنگی، مرنا و جینا، غم و خوشی، سب کی ہر وقت اسے خبر رہتی ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور جو خیال و وہم میرے دل میں گزرتا ہے وہ سب سے واقف ہے، سو ان باتوں سے مشرک ہو جاتا ہے اور اس قسم کی باتیں سب شرک ہیں..... خواہ یہ عقیدہ انبیاء اولیاء سے رکھے خواہ پیر و شہید سے خواہ امام و امام زادے سے خواہ بھوت و پری سے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دیئے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوگا۔" (تقویۃ الایمان ص۱۰)

(۶) "کچھ اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں ہے کہ اللہ صاحب نے غیب دانی اختیار میں دے دی ہو کہ جس کے دل کا احوال جب چاہیں معلوم کر لیں یا جس غیب کا حال جب چاہیں معلوم کر لیں کہ وہ جیتا ہے یا مر گیا یا کس شہر میں ہے یا جس آئندہ بات کو جب ارادہ کریں دریافت کر لیں کہ فلاں کے یہاں اولاد ہوگی یا نہ ہوگی یا اس سوداگری میں اسے فائدہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ اس لڑائی میں فتح پاوے گا یا شکست کہ ان سب باتوں میں بھی سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان ہیں۔ (تقویۃ الایمان ملخصاً صفحہ ۲۵)

(۷) "اللہ صاحب نے پیغمبر صلعم کو فرمایا کہ لوگوں سے یوں کہہ دیویں کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن نہ کوئی چیز یعنی غیب کی بات کو جان لینا کسی کے اختیار میں نہیں۔"

(تقویۃ الایمان صـ۲۵)

(۸) "سو انھوں نے (یعنی رسول خدا نے) بیان کردیا کہ مجھ کو نہ کچھ قدرت ہے نہ کچھ غیب دانی میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا تو کیا کرسکوں؟ اور غیب دانی اگر میرے قابو میں ہوتی تو پہلے ہر کام کا انجام معلوم کرلیتا۔ اگر بھلا معلوم ہوتا تو اس میں ہاتھ ڈالتا اگر برا معلوم ہوتا تو کاہے کو اس میں قدم رکھتا۔ غرض کہ کچھ قدرت اور غیب دانی مجھ میں نہیں اور کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں فقط پیغمبری کا مجھ کو دعویٰ ہے۔"

(تقویۃ الایمان صـ۲۴)

(۹) جو اللہ کی شان ہے اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں۔ سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملاؤ۔ گو کتنا ہی بڑا ہو اور کتنا ہی مقرب۔ مثلاً یوں نہ بولے کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلانا کام ہوجائے گا کہ سارا کاروبار جہان کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یا کوئی شخص کہے کہ فلاں کے دل میں کیا ہے۔ یا فلاں کی شادی کب ہوگی۔ یا فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ و رسول ہی جانے کیوں کہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے۔ رسول کو کیا خبر؟"

(تقویۃ الایمان صـ۵۸)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں:

(۱۰) جو شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے ۔۔۔۔ وہ بے شک کافر ہے۔ اس کی امامت اور اس سے میل جول، محبت و مودت سب حرام ہے۔"
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ صہ ۱۴۱)

(۱۱) "علم غیب خاصۂ حق جل شانہٗ ہے " (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ صہ ۲۰)

(۱۲) اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ صہ ۱۴۱)

(۱۳) اثبات علم غیب غیر حق تعالیٰ کو صریح شرک ہے۔"
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ صہ ۱۷)

(۱۴) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے۔ وہ سادات حنفیہ (یعنی ائمہ احناف) کے نزدیک قطعاً مشرک و کافر ہے۔"
(فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ صہ ۴۲)

(۱۵) علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ صہ ۴۳)

(۱۶) جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب جو خاصہ حق تعالیٰ ہے ثابت کرے اس کے پیچھے نماز نادرست ہے لآمنہٗ کفر کیونکہ یہ کفر ہے۔

کفر ہے۔" (فتاوی رشیدیہ ج ۳ صد ۱۲۵)

(۱۷) جب انبیاء علیہ السلام کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہو گا۔ (فتاوی رشیدیہ صد ۳)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:۔

(۱۸) کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر رہتی ہے۔" (کفر و شرک ہے) (بہشتی زیور ج ۱ صد ۲۷)

(۱۹) کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی۔" (کفر و شرک ہے)

(بہشتی زیور ج ۱ صد ۲۷)

(۲۰) بہت سے امور میں آپ کا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا) خاص اہتمام سے توجہ فرمانا اور فکر و پریشانی میں واقع ہونا اور باوجود اس کے پھر مخفی رہنا ثابت ہے۔ قصہ افک میں آپ کی تفتیش و استکشاف بابلغ وجوہ صحاح میں مذکور ہے مگر صرف توجہ سے انکشاف نہیں ہوا۔"

(۲۱) "یا شیخ عبد القادر، یا شیخ سلیمان کا وظیفہ پڑھنا جیسا عوام کا عقیدہ ہے اُن کے مرتکب ہونے سے بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے مشرک بن جاتا ہے۔"

(فتاوی امدادیہ ج ۴ صد ۵۶)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی عبد الشکور صاحب کاکوروی لکھتے ہیں:۔

(۲۲) "فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں بھی سوائے خدا کے کسی کو غیب داں جاننا ناجائز لکھا ہے۔ بلکہ اس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے۔"

(تحفہ لاثانی ص۳۷)

(۲۳) "حنفیہ نے اپنی فقہ کی کتابوں میں اس شخص کو کافر لکھا ہے جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی غیب جانتے تھے۔" (تحفہ لاثانی ص۳۸)

(۲۴) "رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا میں صفتِ علمِ غیب ہم نہیں مانتے اور جو مانے اُسے منع کرتے ہیں۔" (نصرتِ آسمانی ص۲۷)

(۲۵) "ہم یہ نہیں کہتے کہ حضورؐ غیب جانتے تھے یا غیب داں تھے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضور کو غیب کی باتوں پر اطلاع دی گئی۔ فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق اسی غیب دانی پر کرتے ہیں نہ کہ اطلاع یابی پر۔" (فتح حقانی ص۲۵)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا قاری طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں

(۲۶) رسول اور اُمت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علمِ غیب نہیں ہے۔ (تو رات کا توحید نمبر ص۱۱۴)

(۲۷) حضرت سید الاولین والآخرین کے لیے علمِ غیب کا دعویٰ اور وہ بھی علمِ کلی

اور علم ماکان وما یکون کی قید کے ساتھ نہ صرف بے دلیل اور بے سند ہے بلکہ مخالف دلیل، معارض قرآن اور اس توحیدی شریعت کے مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ التفات ہے۔" (توحید نمبر ص۱۱۷)

(۲۹) "کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا علم ذاتی رسولوں کا علم عطائی، یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں کا برابر ہے۔ گویا ایک حقیقی خدا ایک مجازی خدا۔" (توحید نمبر ص۱۲۱)

(۳۰) "یہ آیت تا قیامت یہی اعلان کرتی رہے گی کہ آپ کو علم غیب نہ تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت تک آپ کو علم غیب نہ ہوگا۔" (توحید نمبر ص۱۲۶)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں:۔

---

(۳۱) "جس طرح محبت عیسوی کے پردے میں الوہیت مسیح کے عقیدے نے نشوونما پائی اور جیسے کہ حب اہلبیت کے نام پر رفض کو ترقی ہوئی۔ اسی طرح حب نبوی اور عشق رسالت کا رنگ دیکر مسئلہ علم غیب کو بھی فروغ دیا جا رہا ہے اور بے چارے عوام محبت کا ظاہری عنوان دیکھ کر برابر اس پر ایمان لا رہے ہیں۔" (الفرقان شمارہ نمبر ۵ ج ۶ ص۱۱)

(۳۲) "چونکہ عقیدہ علم غیب کا یہ زہر محبت کے دودھ میں ملا کر امت کے حلقوں سے پلایا جا رہا ہے۔ اس لیے ان تمام گمراہانہ اعتقادات سے زیادہ خطرناک اور توجہ کا محتاج ہے۔ جن پر محبت وعقیدت کا ملمع نہیں کیا گیا ہے۔" (الفرقان شمارہ ۵ ج ۶ ص۱۳)

۴۳ "صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مفاتیح الغیب جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ پانچ چیزیں ہیں، جو سورہ لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں یعنی قیامت کا وقت مخصوص، بارش کا ٹھیک وقت کہ کب نازل ہوگی۔ مَا فِی الْاَرْحَامِ یعنی عورت کے پیٹ میں کیا ہے بچہ ہے یا بچی، مستقبل کے واقعات، موت کا صحیح مقام۔"

(فتح بریلی کا دلکش نظارہ صفحہ ۵۹)

دیوبندی جماعت کے دینی پیشوا مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی لکھتے ہیں:۔

(۴۴) ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا علم ان امور (یعنی روئے زمین) کے بارے میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔"

(براہین قاطعہ صفحہ ۵۲)

(۴۵) "شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو (یعنی رسول خدا کو) دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔" (براہین قاطعہ صفحہ ۵۱)

(۴۶) "بحر الرائق، عالمگیری، درمختار وغیرہ میں ہے کہ اگر کوئی نکاح کرے بہ شہادت حق تعالیٰ و فخر عالم علیہ السلام کے تو کافر ہو جاتا ہے۔ بہ سبب اعتقاد علم غیب کے فخر عالم کی نسبت۔" (براہین قاطعہ صفحہ ۴۲)

دیوبندی جماعت کے متفرق حضرات کی عبارتیں:۔

(۴۷) ان لوگوں کو اپنے دماغ کی مرمت کرانی چاہیئے جو یہ لغوترین اور حمقانہ دعوی

تصویر کا دوسرا رُخ

اگر کسی طرح کی بدگمانی کو راہ نہ دی جائے تو تصویر کے پہلے رُخ میں مسئلہ علمِ غیب اور قدرت و تصرّف پر دیوبندی علماء کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں انہیں پڑھنے کے بعد ایک خالی الذہن آدمی قطعاً یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہے گا کہ رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیا کے حق میں علمِ غیب اور قدرت و تصرف کا عقیدہ یقیناً توحید کے منافی اور کھلا ہوا کفر و شرک ہے اور لازماً اسے علمائے دیوبند کے ساتھ یہ خوش عقیدگی ہو گی کہ وہ مذہب توحید کے سچے علمبردار اور کفر و شرک کے معتقدات کے خلاف وقت کے سب سے بڑے مجاہد ہیں۔

لیکن آہ! میں کن لفظوں میں اس سربستہ راز کو بے نقاب کروں کہ اس خاموش سطح کے نیچے ایک نہایت خوفناک طوفان چھپا ہوا ہے۔ تصویر کے اس رُخ کی دلکشی اسی وقت تک باقی ہے جب تک کہ دوسرا رُخ نگاہوں سے اوجھل ہے یقین کرتا ہوں کہ پردہ اٹھ جانے کے بعد توحید پرستی کی ساری گرم جوشیوں کا ایک آن میں بھرم کھل جائے گا۔

قبل اس کے کہ میں اصل حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھاؤں۔ آپ کے دھڑکتے ہوئے دل پہ ہاتھ رکھ کر ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

فرض کیجئے! اگر آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ علمِ غیب سے لے کر تصرف و اختیار تک، جن جن باتوں کے اعتقاد کو دیوبندی جماعت کے ان پیشواؤں نے رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیاء کے حق میں کفر و شرک اور منافی توحید قرار دیا ہے، اُن ہی ساری باتوں کو وہ اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں جائز بلکہ واقع تسلیم کرتے ہیں تو آپ کے ذہنی واردات کی کیا کیفیت ہوگی۔؟

کیا اس صورت حال کو آپ مذہبی تاریخ کا سب سے بڑا فریب نہیں قرار دیں گے۔ اور اس سنسنی خیز انکشاف کے بعد آپ کے ذہن کی سطح پر جو تصویر ابھرے گی کیا وہ رہ گزر کے اُن ٹھگوں سے کچھ مختلف ہوگی جو آنکھوں میں دھول جھونک کر مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہیں۔

اگر حالات کا یہ ردِّ عمل فطرت کے عین مطابق ہے تو سُن لیجئے کہ جو صورتِ حال آپ نے فرض کی تھی وہ مفروضہ نہیں بلکہ امرِ واقعہ ہے۔ ہمارے اس پیش لفظ پر اعتماد نہ کر سکیں تو ذہنی طور پر ایک حیرت انگیز تبدیلی کے لیے تیار ہو کر ورق اُلٹیے اور دیوبندی جماعت کے پیشواؤں کے وہ واقعات پڑھیے جن میں عقیدۂ توحید اور اسلام و ایمان کی سلامتی کے سوا سب کچھ ہے۔

غیب دانی کا اعتقاد، دلوں کے خطرات پر اطلاع، سیکڑوں میل کی مسافت سے مخفیات کا علم، ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ بارش کب ہوگی، کل آئندہ کیا پیش آئے گا، کون کب مرے گا۔ کس کی وفات کہاں ہوگی، دیوار کے پیچھے کیا ہے، اپنے ارادہ و تصرف سے مارنا، شفا بخشنا، بارش روک دینا، بارش برسا دینا، امداد و دستگیری کے لیے آنِ واحد میں اپنی اپنی قبروں سے نکل کر دور دور پہنچ جانا،

تصور کرتے ہی سامنے موجود ہو جانا، سارے جہاں کا ایک نظر میں احاطہ کر لینا، مصیبت کے وقت غائب کو اپنی مدد کے لیے پکارنا، گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دینا، یہ سمجھنا کہ ہر وقت ہمارے دل کے احوال کی خبر رکھتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ تصور کرتے ہی باخبر ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہی ساری باتیں ہیں جنھیں علمائے دیوبند کی مذکورۃ الصدر کتابوں میں صرف خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور غیر خدا یہاں تک کہ رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی اس طرح کے اعتقادات کو کفر و شرک قرار دیا گیا ہے۔

لیکن کمال حیرت کے ساتھ یہ خبر وحشت اثر سنیے کہ یہی خدائی کا منصب، یہی کھلا ہوا کفر و شرک اور یہی توحید کے منافی اعتقادات علمائے دیوبند نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں بے چوں وچرا تسلیم کر لیے ہیں۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے اور الگ الگ ہر باب میں دیوبندی جماعت کے بزرگوں کے وہ واقعات وحالات جمع کیے گئے ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد آپ کے دماغ کا تار جھنجھنا اٹھے گا اور ان حضرات کی توحید پرستی کا سارا بھرم کھل جائے گا۔

ہم نہ کہتے تھے کہ اے داغؔ تو زلفوں کو نہ چھیڑ
اب وہ برہم ہے تو ہے تجھ کو قلق یا ہم کو

پہلا باب

بانئ دارالعلوم دیوبند جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے بیان میں

اس باب میں

دیوبندی لٹریچر سے مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی سے متعلق وہ واقعات وحالات جمع کیے گئے ہیں جن میں عقیدۂ توحید سے تصادم، اپنے مذہب سے انحراف، اور اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں منہ بولے کفر و شرک کو اسلام و ایمان بنالینے کے حیرت انگیز نمونے ورق ورق پر بکھرے ہوئے ہیں۔

انھیں پڑھیے اور مذہبی تاریخ میں پہلی بار ایک عجیب طلسم فریب کا تماشا دیکھیے!

سلسلۂ واقعات

(۱)

وفات کے بعد مولوی قاسم نانوتوی کا جسم ظاہری کے ساتھ مدرسۂ دیوبند میں آنا

قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں مولوی رفیع الدین صاحب مدرسہ کے مہتمم تھے، دارالعلوم کے بعض مدرسین کے درمیان آپس میں کچھ نزاع چھڑ گئی۔ آگے چل کر مدرسہ کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس ہنگامے میں شریک ہوگئے اور جھگڑا طول پکڑ گیا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ قاری طیب صاحب ہی کی زبانی سُنیئے۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:۔

> "اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا۔
>
> مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ

میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسدِ عنصری (جسم ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تربتر ہوگیا۔ اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہدو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے بس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔"

(ارواح ثلثہ صہ ۲۴۲)

مولوی نانوتوی صاحب کا خدائی تصرف

اب ایک نیا تماشہ اور ملاحظہ فرمایئے قاری صاحب کی اس روایت پر دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنا ایک نیا حاشیہ چڑھایا ہے جس میں بیان کردہ واقعہ کی توثیق کرتے ہوئے موصوف نے تحریر کیا ہے:۔

"یہ واقعہ روح کا تمثّل تھا۔ اور اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جسدِ مثالی تھا مگر مشابہ جسدِ عنصری کے، دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کرلیا ہو۔"

(ارواح ثلثہ صہ ۲۴۳)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ! دیکھ رہے ہیں آپ؟ اس ایک واقعہ کے ساتھ کتنے مشرکانہ عقیدے لپٹے ہوئے ہیں۔ پہلا عقیدہ تو مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے حق

ہیں علمِ غیب کا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے تئیں اگر انہیں علمِ غیب نہیں تھا تو عالمِ برزخ میں انہیں کیونکر خبر ہوگئی کہ مدرسہ دیوبند میں مدرسین کے درمیان سخت ہنگامہ ہوگیا ہے یہاں تک کہ مدرسہ کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس میں شامل ہوگئے ہیں چل کر انہیں منع کردیا جائے۔

اور پھر اُن کی روح کی قوّت تصرف کا کیا کہنا کہ تھانوی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس جہان خاکی میں دوبارہ آنے کے لیے اُس نے خود ہی آگ، پانی اور ہوا، مٹی سے ایک انسانی جسم تیار کیا اور خود ہی اس میں داخل ہوکر زندگی کے آثار اور نقل وحرکت کی قوت ارادی سے مسلح ہوئی اور لحد سے نکل کر سیدھے دیوبند کے مدرسہ میں چلی آئی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی روح کے لیے یہ "خدائی اختیارات" بلاچوں وچرا مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی تسلیم کرلیا مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس پر آنکھ بند کرکے ایمان لے آئے اور تھانوی صاحب کا کیا کہنا کہ انھوں نے تو جسم انسانی کا خالق ہی اُسے ٹھہرا دیا۔ اور اب قاری طیّب صاحب اس کی تشہیر فرمارہے ہیں۔

ان حالات میں ایک صحیح الدماغ آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ روح کے جو تصرفات واختیارات، اور غیبی علم وادراک کی جو قوتیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کے حق میں تسلیم کرنا یہ حضرات کفر وشرک سمجھتے ہیں وہی "اپنے مولانا" کے حق میں کیونکر اسلام وایمان بن گیا ہے؟

کیا یہ صورتِ حال اس حقیقت کو واضح نہیں کرتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر وشرک کی یہ تمام بحثیں صرف اس لیے ہیں کہ انبیاء واولیاء کی حرمتوں کے خلاف

جنگ کرنے کے لیے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ورنہ خالص عقیدۂ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کار فرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کے درمیان قطعاً کوئی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔

(۲)

ایک اور حیرت انگیز واقعہ

دیوبندی جماعت کے مشہور فاضل مولوی مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی کے نام سے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی ایک ضخیم سوانح حیات لکھی ہے۔ جسے دارالعلوم دیوبند نے خود اپنے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

اپنی اس کتاب میں مولوی محمود الحسن صاحب کے حوالے سے انھوں نے کسی "واعظ مولانا" کے ساتھ ایک دیوبندی طالب علم کا ایک بڑا ہی عجیب و غریب مناظرہ نقل کیا ہے۔ اس دیوبندی طالب علم کے متعلق موصوف کے بیان کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"وہ پنجاب کی طرف کسی علاقے میں چلا گیا اور کسی قصبہ کی مسجد میں لوگوں نے ان کو امام کی جگہ دے دی۔ قصبہ والے ان سے کافی مانوس ہو گئے اور اچھی گزر بسر ہونے لگی۔ اسی عرصہ میں کوئی مولوی صاحب گشت کرتے ہوئے اس قصبے میں بھی آدھمکے۔ وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کیا۔ لوگ ان کے کچھ معتقد ہوئے انھوں نے دریافت کیا کہ یہاں کی مسجد کا امام کون ہے۔ کہا گیا کہ دیوبند

کے پڑھے ہوئے ایک مولوی صاحب ہیں۔

دیوبند کا نام سننا تھا کہ واعظ مولانا صاحب آگ بگولا ہو گئے اور فتویٰ دیدیا کہ اس عرصے میں جتنی نمازیں اس دیوبندی کے پیچھے تم لوگوں نے پڑھی ہیں وہ سرے سے ادا ہی نہیں ہوئیں اور جیسا کہ دستور ہے، دیوبندی یہ ہیں، وہ ہیں، یہ کہتے ہیں، وہ کہتے ہیں، اسلام کے دشمن ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

قصباتی مسلمان بیچارے سخت حیران ہوئے کہ مفت میں اس مولوی پر روپے بھی برباد ہوئے اور نمازیں بھی برباد ہوئیں ایک وفد اس غریب دیوبندی امام کے پاس پہنچا اور مستدعی ہوا کہ مولانا واعظ صاحب جو ہمارے قصبہ میں آئے ہیں ان کے جو الزامات ہیں یا تو ان کا جواب دیجئے ورنہ پھر بتائیے کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ کیا کریں۔ جان بھی غریب کی خطرے میں آگئی اور نوکری ووکری کا قصہ تو ختم شدہ ہی معلوم ہونے لگا۔ چونکہ علمی مواد بھی ان کا معمولی تھا خوفزدہ ہوئے کہ خدا جانے یہ واعظ مولانا صاحب کس پائے کے عالم ہیں؟ منطق و فلسفہ بگھاریں گے اور میں غریب اپنا سیدھا سادہ نمازی ہوں ان سے بازی لے بھی جا سکتا ہوں یا نہیں؟ تاہم چارہ کار بس نے سوا اور کیا تھا کہ مناظرہ کا وعدہ ڈرتے ڈرتے کر دیا۔ تاریخ اور محل و مقام سب کا مسئلہ طے ہو گیا۔ واعظ مولانا صاحب

بڑا زبردست عمامہ طویلہ و عریضہ سر پر لپیٹے ہوئے کتابوں کے پشتارے کے ساتھ مجلس میں اپنے حواریوں کے ساتھ جلوہ فرما ہوئے۔ ادھر یہ غریب دیوبندی امام، منحنی وضعیف، مسکین شکل، مسکین آواز خوفزدہ، لرزاں وترساں بھی اللہ اللہ کرتے ہوئے سامنے آیا۔

سُننے کی بات یہی ہے جو اس کے بعد اس دیوبندی امام مولوی نے مشاہدہ کے بعد بیان کی، کہتے تھے کہ مولانا واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا۔ ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آکر بیٹھ گیا۔ اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے کہ ہاں گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو، دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے۔ اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتدا میں تو دیا لیکن سوال وجواب کا سلسلہ ابھی زیادہ دراز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے رو رہے ہیں۔ پگڑی بکھری ہوئی ہے اور کہتے جاتے ہیں میں نہیں جانتا تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں، للہ معاف کیجئے!

آپ جو کچھ فرما رہے ہیں۔ یہی صحیح اور درست ہے میں ہی غلطی پر تھا۔

یہ منظر ہی ایسا تھا کہ مجمع دم بخود تھا کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا دیکھ رہا تھا۔ دیوبندی امام صاحب نے کہا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت میری نظر سے اس کے بعد اوجھل ہوگئی اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون تھے اور یہ قصہ کیا تھا۔" (سوانح قاسمی ج ۱، ص ۳۳۰ و ۳۳۱)

یہاں تک اصل قصہ بیان کر چکنے کے بعد اب مولوی المناظر احسن گیلانی ایک نہایت پُراسرار اور حیرت انگیز واقعہ کی نقاب کشائی فرماتے ہیں۔ دراصل ان کے بیان کا یہی حصہ ہماری بحث کا مرکزی نقطہ ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

"حضرت شیخ الہند (یعنی مولانا مولوی محمود الحسن صاحب) فرماتے تھے میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ اچانک نمودار ہو جانے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا۔ حلیہ جو بیان کیا۔ فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا اور حضرۃ الاستاذ (یعنی مولوی قاسم نانوتوی) کا ایک ایک خال وخط نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ بیان ختم کر چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تو حضرۃ الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو تمہاری امداد کے لیے حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔"

(سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۳۲)

ملاحظہ فرمایئے! قصہ آرائی سے قطع نظر اس ایک واقعہ کے اندر مولوی قاسم صاحب

نانوتوی کے حق میں کتنے مشرکانہ عقائد کا برملا اعتراف کر لیا گیا ہے۔

اولاً یہ کہ نہایت فراخدلی کے ساتھ اُن کے اندر غیب دانی کی وہ قوت بھی مان لی گئی ہے جس کے ذریعہ انہیں عالمِ برزخ ہی میں معلوم ہوگیا کہ ایک دیوبندی امام فلاں مقام پر میدان مناظرہ میں یکہ وتنہا بے بسی کی حالت میں دم توڑ رہا ہے چل کر اس کی مدد کی جائے۔

دوسرے یہ کہ اُن کے حق میں یہ قوت تصرف بھی تسلیم کر لی گئی ہے کہ وہ اپنے ظاہری جسم کے ساتھ اپنی لحد سے نکل کر جہاں چاہیں بے روک ٹوک جاسکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ مرنے کے بعد زندوں کی مدد کرنے کا اختیار رہا ہے۔ دیوبندی حضرات کے تئیں انبیاء و اولیاء کے لیے بھی ثابت نہ ہو، لیکن "اپنے مولانا" کے لیے ضرور ثابت ہے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ صورتِ حال کیا اس یقین کو تقویت نہیں پہنچاتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر وشرک کی یہ تمام بحثیں صرف اس لیے ہیں کہ انہیں انبیاء و اولیاء کی حرمتوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ورنہ خاص عقیدۂ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی تفریق کیوں روا رکھی جاتی؟

اپنے ہی ہاتھوں اپنے مذہب کا خون

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ بیان کر چکنے کے بعد مولوی مناظر احسن گیلانی کو اچانک یاد آیا کہ ہمارے یہاں تو ارواحِ انبیاء تک کے لیے بھی زندوں کی مدد کرنے کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اپنے مشرب میں ہم اس طرح کے تصورات کو "مشرکانہ عقائد" سے تعبیر کرتے آرہے ہیں پھر اتنے واضح اور مسلسل اور متوارث انکار کے

بعد اپنے مولانا کے ذریعہ غیبی امداد کا یہ قصہ کیونکر نباہا جا سکے گا۔؟

یہ سوچ کر بجائے اس کے کہ اپنے مسلک کو بچانے کے لیے موصوف اس مسنوعی قصے کا انکار کرتے، انھوں نے اپنے مولانا کا "خدائی اختیار" ثابت کرنے کے لیے اپنے اصل مذہب ہی کا انکار کردیا۔

میں یقین کرتا ہوں کہ مذہبی انحراف کی ایسی شرمناک مثال کسی فرقے کی تاریخ میں شاید ہی مل سکے گی۔ واقعہ بیان کر چکنے کے بعد کتاب کے حاشیے میں موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔ "حیرت میں ڈوب کر یہ اَن کہی" پڑھیے اور علم و دیانت کا ایک تازہ خون اور ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:۔

"وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں علمائے دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہلسنت والجماعت کا ہے۔ آخر جب ملائکہ جیسی روحانی ہستیوں سے خود قرآن ہی میں ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی امداد کراتے ہیں۔

صحیح حدیثوں میں ہے کہ واقعۂ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے تخفیف صلوات کے مسئلے میں امداد ملی اور دوسرے انبیاء علیہم السّلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ پس اگر ملیں تو اسی قسم کی ارواحِ طیبہ سے کسی مصیبت زدہ مومن کی امداد کا کام قدرت اگر لے تو قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے۔" (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۱ صد ۳۳۲)

سبحان اللہ! ذرا غلبۂ حق کی شان تو دیکھیے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں کل تک جو سوال ہم ان سے کرتے تھے آج وہی سوال وہ اپنے آپ سے کر رہے ہیں۔ اب اس سوال کا جواب تو انہی لوگوں کے ذمہ ہے جنھوں نے ایک خالص اسلامی عقیدے کو کفر و شرک کا نام دے کر اصل حقیقت کا چہرہ مسخ کیا ہے اور جس کے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے نمونے آپ "تصویر کے پہلے رُخ" میں پڑھ آئے ہیں۔

"تاہم گیلانی صاحب کے اس حاشیے سے اتنی بات ضرور صاف ہوگئی کہ جو لوگ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے قائل ہیں وہی فی الحقیقۃ اہلسنت و جماعت ہیں۔ اب انہیں بدعتی کہہ کر پکارنا نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو جھٹلانا ہے۔ بلکہ اخلاقی رذائل سے اپنی زبان اور قلم کی آلودگی کا مظاہرہ بھی کرنا ہے۔

حاشیے کی عبارت کا یہ حصہ بھی دیدۂ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

"اور سچ تو یہ ہے کہ آدمی کو عام طور پر جو امداد بھی مل رہی ہے حق تعالیٰ اپنی مخلوقات ہی سے تو یہ امدادیں پہنچا رہے ہیں روشنی آفتاب سے ملتی ہے دودھ ہمیں گائے اور بھینس سے ملتا ہے۔ یہ تو ایک واقعہ ہے بھلا یہ بھی انکار کرنے کی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔"

(حاشیہ سوانح قاسمی ص ۳۳۲)

انکار کی بات کیا پوچھتے ہیں کہ آپ کے یہاں تو اس ایک مورچے پر نصف صدی سے

جنگ لڑی جارہی ہے، معرکۂ کارزار میں حقائق کی تڑپتی ہوئی لاشیں آپ نہیں دیکھ پاتے تو اپنے ہی قلم کی تلوار سے لہو کی ٹپکتی ہوئی بوند ملاحظہ فرمالیجئے۔

حاشیے کی عبارت جس حصّے پر تمام ہوئی ہے اس میں اعتراف حق کا مطالبہ اس قدر بے قابو ہوگیا ہے کہ تحریر کے نقوش سے آواز آرہی ہے۔ اہل حق کو بغیر کسی لشکر کشی کے اپنے مسلک کی یہ فتح مبین مبارک ہو ارشاد فرماتے ہیں:۔

"پس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں"۔
(حاشیہ سوانح قاسمی ج ا، ص ۳۳۲)

اللہ اکبر! دیکھ رہے ہیں آپ ؟ قصہ آرائی کو واقعہ بنانے کے لیے یہاں کتنی بیدردی کے ساتھ مولانا نے اپنے مذہب کا خون کیا ہے۔ جو عقیدہ نصف صدی سے پوری جماعت کے ایوانِ فکر کا سنگِ بنیاد رہا ہے اُسے ڈھادینے میں موصوف کو ذرا بھی تامل نہیں ہوا۔

اعتقاد و عمل کے درمیان شرمناک تصادم

سر بہ گریباں ہو کر علم و دیانت کی پامالی کا ذرا یہ تماشا ملاحظہ فرمایئے

کہ سوانح قاسمی نامی کتاب خاص دار العلوم دیوبند کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔ قاری طیب صاحب مہتمم بذات خود اس کے پبلشر ہیں۔ اپنے حلقہ میں کتاب کی ثقاہت کسی رُخ سے بھی مشکوک نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن سخت حیرت ہے کہ نانوتوی صاحب کو مافوق البشر ثابت کرنے کے لیے دیوبندی جماعت کے ان مشاہیر نے

ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت کا انکار کر دیا ہے جسے اب وہ چھپانا بھی چاہیں تو نہیں چھپا سکتے
مثال کے طور پر وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں دیوبندی
حضرات کا اصل مذہب کیا ہے اسے معلوم کرنے کے لیے دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کی
یہ عبارت پڑھیئے۔

"مرادیں پوری کرنی، حاجتیں بر لانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، برے وقت میں پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء، واولیاء کی پیر و شہید کی بھوت و پری کی یہ شان نہیں، جو کسی کو ایسا ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ ۔ ۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔" (تقویت الایمان ص۱۰، آرمی پریس دہلی)

یہ ہے عقیدہ کہ مردہ و زندہ نبی اور ولی کسی کے اندر بھی مراد پوری کرنے، حاجت بر لانے
بلا ٹالنے، مشکل میں دستگیری کرنے اور برے وقت میں پہنچنے کی کوئی طاقت نہ قدرت
نہیں ہے نہ ذاتی نہ عطائی۔

اور وہ ہے عمل کہ نانوتوی صاحب وفات کے بعد حاجت بھی بر لائے، بلا بھی
ٹال دی اور برے وقت میں اس شان سے پہنچے کہ سارے جہان میں ڈنکا بج گیا۔

ایک ہی بات جو ہر جگہ شرک تھی، سب کے لیے شرک تھی، ہر حال میں شرک تھی، جب "اپنے مولانا" کی بات آگئی تو اچانک اسلام بن گئی، ایمان بن گئی اور امر واقعہ بن گئی۔

اور پھر دلوں کا ایک ہی عقیدہ جب تک اس کا تعلق نبی اور ولی سے تھا تو سارا قرآن اس کے خلاف، ساری احادیث اس سے مزاحم اور سارا اسلام اس کی بیخ کنی میں تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن صرف تعلق بدل گیا اور نبی و ولی کی جگہ "اپنے مولانا" کی بات آگئی تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اب سارا قرآن اس کی حمایت میں، ساری احادیث اس کی تائید میں اور سارا اسلام اس کی پشت پناہی میں ہے۔ ع:

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

اپنی تکذیب کی ایک شرمناک مثال

بات درمیان میں آگئی ہے تو وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلے میں دیوبندی جماعت کے مشہور مناظر مولوی منظور صاحب نعمانی کا ایک اداریہ پڑھیے جسے انھوں نے ماہنامہ الفرقان لکھنؤ میں سپرد قلم کیا ہے تاکہ اس مسئلے میں دیوبندی جماعت کا اصل ذہن آپ پر واضح ہو جائے۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"جن بندوں کو اللہ نے کوئی ایسی قابلیت دے دی ہے جن سے دوسروں کو بھی کوئی نفع یا امداد پہنچا سکتے ہیں۔ جیسے حکیم، ڈاکٹر، وکیل وغیرہ۔ تو ان کے متعلق ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ

ان میں کوئی غیبی طاقت نہیں اور ان کے اپنے قبضے میں کچھ بھی نہیں ہے اور یہ بھی ہماری ہی طرح اللہ کے محتاج بندے ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ اللہ نے اُنہیں اس عالم اسباب میں اس قابل بنا دیا ہے کہ ہم اُن سے فلاں کام میں مدد لے سکتے ہیں۔

اس بناء پر ان سے کام لینے اور اعانت حاصل کرنے میں شرک کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے شرک جب ہوتا ہے جب کسی ہستی کو اللہ کے قائم کیے ہوئے اس ظاہری سلسلۂ اسباب سے الگ غیبی طور پر اپنے ارادہ واختیار سے کار فرما اور متصرف سمجھا جائے اور اس اعتقاد کی بنا پر اس سے اپنی حاجتوں میں مدد مانگی جائے۔

(الفرقان جمادی الاولی ۱۳۷۲ھ ص۲۵)

واضح رہے کہ دارالعلوم دیوبند کے "واقعہ نزاع" اور "قصۂ مناظرہ" میں نانوتوی صاحب کے متعلق جو روائتیں نقل کی گئی ہیں، اُن تمام واقعات میں ظاہری سلسلۂ اسباب سے الگ غیبی طور پر ہی ان کی امداد وتصرف کا عقیدہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اب تو اس کے شرک ہونے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہ جاتا۔!

اداریہ کی عبارت جس حصے پر تمام ہوئی ہے وہ بھی خاصی توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ قلم کی نوک سے روشنائی کی جگہ زہر ٹپک رہا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ مسلمان کہلانے والے قبوریوں اور تعزیہ پرستوں کو دیکھ

لیجیے۔ شیطان نے ان مشرکانہ اعمال کو ان کے دلوں میں ایسا اُتار دیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی کوئی بات سننے کے روادار نہیں۔

میں تو انہیں لوگوں کو دیکھ کر اگلی اُمتوں کے شرک کو سمجھا ہوں اگر مسلمانوں میں یہ لوگ نہ ہوتے تو واقعہ یہ ہے کہ میرے لیے اگلی اُمتوں کے شرک کو سمجھنا بڑا مشکل ہوتا۔" (الفرقان ص۳۰)

توحید پرستی کا نرالا غرّہ ملاحظہ فرمایئے کہ موصوف کو مسلمانوں کا چُھپا ہوا شرک تو نظر آ گیا لیکن اپنے گھر کا "عریاں شرک" نظر نہیں آتا۔ کتنی معصومیت کے ساتھ آپ فرما رہے ہیں کہ "اگر مسلمانوں میں یہ لوگ نہ ہوتے تو میرے لیے اگلی اُمتوں کے شرک کو سمجھنا مشکل ہوتا"۔ میں کہتا ہوں مشکل کیوں ہوتا؟ شرک کو سمجھنے کے لیے گھر ہی میں کس بات کی کمی تھی خدا کا دیا سب کچھ تھا۔

سچ پوچھیے تو اسی طرح کی خود فریبیوں کا جادو توڑنے کے لیے میرے ذہن میں زیر نظر کتاب کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا کہ اصحاب عقل وانصاف واضح طور پر محسوس کر لیں کہ جو لوگ دوسروں پر شرک کا الزام عائد کرتے ہیں اپنے نامۂ اعمال کے آئینے میں وہ خود کتنے بڑے مشرک ہیں؟

ایک اور عبرتناک کہانی

بحث کے خاتمے پر اس سلسلے کی ایک عبرتناک کہانی اور سُن لیجیے تاکہ حسن ظن کی حُجت بھی تمام ہو جائے۔

ہندوستان کے اندر وفات یافتہ بزرگوں میں سلطان الاولیا، حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمتِ خداداد اور ان کی روحانیت کا فیضان عام آٹھ سو برس کی تاریخ کا ایک جانا پہچانا واقعہ ہے۔ لیکن جذبۂ دل کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ دیوبندی جماعت کے مذہبی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے سرکار خواجہ کے سنگِ درکار شتہ بُت خانے کی دہلیز کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ جبکہ تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مرتب ان کی مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے خود ان کا یہ منہ بولا بیان نقل کرتا ہے کہ:

"ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات میں نے دیکھی اجمیر میں ایک مردہ کو دیکھ کر اجمیر میں پڑا ہوا سارے ہندوستان پر سلطنت کر رہا ہے۔"

(کمالات اشرفیہ صـ۲۵۲)

انگریز کا یہ قول نقل کرنے کے بعد تھانوی صاحب نے ارشاد فرمایا:۔

"واقعی خواجہ صاحب کے ساتھ لوگوں کو بالخصوص ریاست کے امراء کو بہت ہی عقیدت ہے (اس پر) خواجہ عزیز الحسن نے عرض کیا کہ جب فائدہ ہوتا ہوگا۔ تبھی تو عقیدت ہے (تھانوی صاحب نے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا حسنِ ظن ہو ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں۔ اس طرح تو بُت پرستوں کو بُت پرستی

ہیں بھی فائدہ ہوتا ہے، یہ کوئی دلیل تھوڑا ہی ہے۔ دلیل ہے شریعت۔۔!
(کمالات اشرفیہ صد ۲۵۲)

بت پرستی کے فوائد کی تفصیل تو تھانوی صاحب ہی بتا سکتے ہیں کہ سب سے پہلے وہی اس تجربے سے فیضیاب ہوئے۔ لیکن غیرت سے ڈوب مرنے کی بات تو یہ ہے کہ ایک منکرِ اسلام دشمن" اور" ایک کلمہ گو دوست" کی نگاہوں کا فرق ذرا ملاحظہ فرمایئے دشمن کی نظر میں سرکار خواجہ کشور ہند کے سلطان کی طرح جگمگا رہے ہیں جب کہ دوست کی نگاہ انہیں پتھر کے صنم سے بھی زیادہ حیثیت نہیں دیتی۔

اس مقام پر مجھے صرف اتنی بات کہنی ہے کہ ایمان کی آنکھوں کا چراغ اگر گل نہیں ہو گیا ہے تو ایک طرف ان دیوبندی مشاہیر کے ذہن میں نانوتوی صاحب کا وہ سراپا دیکھئے کتنا باختیار اور کبریائی قدرتوں سے کتنا مسلح نظر آتا ہے کہ کارسازی اور چارہ گری کے لیے وہ نیازمندوں کو اپنے مرقد تک بھی آنے کی زحمت نہیں دیتے۔

جہاں ذرا سی آنچ محسوس ہوئی خود ہی عالم برزخ سے دوڑے چلے آتے ہیں اور اپنی کارسازی کا جلوہ دکھا کر واپس لوٹ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں تو اپنے اسی پیکر ناسوتی میں کہ دیکھنے والے انھیں ماتھے کی آنکھوں سے دیکھیں اور پہچان لیں۔

لیکن وائے رے دلِ حرماں نصیب کی تاریکی! کہ دوسری طرف انکی ذہن میں خواجۂ ہند کا جو تصور ابھرتا ہے اس میں ان کے روحانی اقتدار کے اعتراف کے لیے مطلق کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جسم ظاہری کی محسوس شوکتوں طلعتوں اور عطر بیز نکہتوں کے ساتھ کسی غم نصیب تک پہنچنے کی بات تو بہت بڑی ہے کہ یہ حضرات تو ان کے متعلق

اتنی بات بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ اُن کے کاکل و رُخ کی جلوہ گاہ میں پہنچ کر بھی کوئی فیضیاب ہو سکتا ہے!

اور جسارت ناروا کی انتہا تو یہ ہے کہ ان حضرات کے یہاں عطائے رسول کی تُربت اور ایک بُت خانے کے درمیان قطعاً کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ نفع رسانی اور فیض بخشی کے سلسلہ میں دونوں جگہ محرومی کا ایک ہی داغ ہے۔

خدا مہلت دے تو تھوڑی دیر ایمان و عقیدت کے سائے میں بیٹھ کر سوچئے گا کہ کیا یہی تصویر ہے اس خسروائے زمانہ کی، جسے رسول الثقلین نے کشورِ ہند میں اپنا نائب السلطنت بنا کر بھیجا ہے۔

اور جواب ملنے کی توقع ہو تو اپنے ضمیر سے اتنا ضرور دریافت کیجئے گا کہ قلم کی وہ روشنائی جو نانوتوی صاحب کی "حمد" میں گنگ وجمن کی طرح بہہ رہی تھی وہی خواجۂ خواجگان چشت کی منقبت کے سوال پر اچانک کیوں خشک ہو گئی؟

اتنی تفصیلات کے بعد اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں سے امداد کے مسئلے میں دیوبندی حضرات کا اصل مذہب کیا ہے؟ البتہ اس الزام کا جواب ہمارے ذمّہ نہیں ہے کہ ایک ہی اعتقاد جو رسول و ولی کے حق میں شرک ہے وہی گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام و ایمان کیونکر بن گیا ہے؟

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ صورت حال کیا اس یقین کو تقویت نہیں پہنچاتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر و شرک کی یہ ساری بحثیں صرف اس لیے ہیں کہ انبیا و اولیا کی حرمتوں کو گھائل کرنے کے لیے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ورنہ خالص عقیدۂ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو ترک کے سوال پر اپنے اور بیگانے

کے درمیان یہ تفریق کیوں روا رکھی جاتی ؟

ضمنی طور پر یہ بحث نکل آئی ورنہ سلسلہ چل رہا تھا علمائے دیوبند کی غیب دانی کا اور خدائی اختیارات سے متعلق تصنیف کردہ واقعات کا۔ اب پھر اسی سلسلہ کے ساتھ اپنے ذہن کا رشتہ جوڑ لیجئے۔

(۳)

علم مافی الارحام کا عجیب وغریب واقعہ

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دہلوی جو دیوبندی جماعت کے مذہبی پیشوا اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اہم رکن ہیں انھوں نے ماہنامہ "برہان" دہلی کے مدیر مولوی سعید احمد اکبرآبادی فاضل دیوبند کے والد کی وفات پر جریدۂ برہان میں ایک تعزیتی شذرہ لکھا ہے جو متوفی کی زندگی کے حالات پر مشتمل ہے۔ واقعات کے راوی خود مولوی سعید احمد ہیں، قلم مفتی عتیق الرحمان صاحب کا ہے۔ اپنی پیدائش سے متعلق مولوی سعید احمد کا "میلاد نامہ" خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ موصوف بیان کرتے ہیں کہ:۔

"مجھ سے پہلے ابا کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے جن کا نوعمری ہی میں انتقال ہوگیا تھا اس کے بعد مسلسل سترہ سال تک ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ انھوں نے ترک ملازمت اور ہجرت کا قصد کرلیا (اس وقت وہ آگرہ لوہا منڈی کے سرکاری شفا خانے میں ملازم تھے) مگر جب قاضی (عبدالغنی صاحب مرحوم (والد کے پیرومرشد) کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے

منع لکھ بھیجا اور ساتھ ہی خوش خبری دی کہ ان کے لڑکا پیدا ہوگا۔
چنانچہ اس بشارت کے چند سال بعد شعہ کے رمضان کی ۷ تاریخ
کو صبح صادق کے وقت میں پیدا ہوا، تو ولادت سے دو گھنٹے قبل
آبا نے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کو خواب میں
دیکھا کہ لوہا منڈی کے شفاخانے میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے
ہیں "ڈاکٹر! لڑکا مبارک!! ـــ اس کا سعید نام رکھنا۔
چنانچہ آبا نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اسی وقت فیصلہ کر
لیا کہ میں بچّہ کو دیوبند بھیج کر عالم بنواؤں گا۔"
(ماہنامہ برہان دہلی، اگست ۱۹۵۲ء ص ۲۸)

ذرا خالی الذہن ہو کر ایک لمحہ کے لیے سوچئے کہ مولوی سعید احمد صاحب کے والد کے پیر قاضی عبد الغنی صاحب نے موصوف کی پیدائش سے چند سال قبل ہی، یہ معلوم کر لیا تھا کہ "فرزند" تشریف لا رہے ہیں جس کی انھوں نے بشارت بھی دیدی اور بشارت کے مطابق ۷ رمضان المبارک کو مولوی سعید احمد اس سرائے فانی میں تشریف بھی لے آئے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایّام حمل میں اگر انھوں نے خبر دی ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ طبی ذرائع سے انہیں استقرار حمل کا علم ہو گیا ہوگا۔ لیکن کئی سالوں پیشتر یہ معلوم کر لینے کا ذریعہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہیں "علم غیب" تھا۔

اور پھر مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی "غیب دانی" کا کیا کہنا کہ وہ حضرات تو عین وقت ولادت سے دو گھنٹے پیشتر ہی

اپنی اپنی قبروں سے نکل کر سیدھے مولوی سعید صاحب کے والد کے گھر پہنچ گئے اور انہیں بیٹے کی آمد پر پیشگی مبارکباد دی اور نام تک تجویز فرمادیا اور موصوف نے بھی اس خواب کو بالکل ایک امر واقعہ کی طرح تسلیم کرلیا۔

انصاف کیجئے! ایک طرف تو گھر کے بزرگوں کے حق میں دلوں کا اعتقاد دیکھئے اور دوسری طرف رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے انکار میں بخاری شریف کی یہ حدیث دیوبندی علماء کی زبان و قلم کی نوک سے ہمیشہ لگی رہتی ہے :۔

> "صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مفاتیح الغیب جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ پانچ چیزیں ہیں جو سورہ لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں یعنی قیامت کا وقت مخصوص، بارش کا ٹھیک وقت کہ کب نازل ہوگی، مافی الارحام یعنی عورت کے پیٹ میں کیا ہے؟ بچہ ہے یا بچی، مستقبل کے واقعات، موت کا صحیح مقام۔"
>
> (تختہ بجلی کا دلکش نظارہ صہ ۸۵)

قرآن کی آیت ثابت بھی برحق اور حدیث بھی واجب التسلیم لیکن اتنا عرض کرنے کی اجازت [illegible] کہ مذکورہ بالا آیت و حدیث اگر رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم [illegible] (یہ علم کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے) کے انکار کی دلیل بن سکتی ہے تو [illegible] کی صورت میں اس سوال کا جواب دیا جائے کہ یہی آیت اور یہی حدیث [illegible] کے مبلغین قاضی عبدالغنی، مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور مولوی

رشید احمد گنگوہی کے حق میں علم مافی الارحام کے اعتقاد سے کیوں نہیں مانع ہوئی ؟
اور اگر اپنے بزرگوں کے حق میں مذکورہ بالا آیت و حدیث کی کوئی تاویل تلاش کر لی گئی تھی تو پھر وہی تاویل رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیوں نہیں روا رکھی گئی۔ ایک ہی مسئلے میں ذہن کے دو رُخ کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ جسے اپنا سمجھا گیا اس کے کمالات کے اظہار کے لیے نہیں بھی کوئی گنجائش تھی تو نکال لی گئی اور جس کے لیے دل کے اندر کوئی نرم گوشہ تک موجود نہیں تھا اس کے فضائل واقعی کے اعتراف میں بھی دل کا بخل چھپایا نہیں جا سکا۔

ایک اور ایمان شکن روایت

علم مافی الارحام کی بات چل پڑی ہے تو لگے ہاتھوں عقیدۂ توحید کا ایک اور خون ملاحظہ فرمایئے۔ یہی مولوی قاسم صاحب نانوتوی اپنی جماعت کے ایک "شیخ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مُرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مُریدوں میں تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا اور جو آپ بتلا دیتے وہی ہوتا تھا۔

(ارواح ثلثہ صہ ۱۲۳)

یہاں تو حسن اتفاق کا بھی معاملہ نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ خواب کی بات ہو بلکہ پوری صراحت ہے اس امر کی کہ ان کے اندر ما فی الارحام کے علم و انکشاف کی ایک ایسی قوت ہی بیدار ہو گئی تھی کہ وہ ہر وقت ایک شفاف آئینہ کی طرح پیٹ کے اندر کی چیز دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح کی قوت جیسے ہماری آنکھوں میں دیکھنے اور کانوں میں سننے کی ہے۔ نہ جبرئیل کا انتظار اور نہ الہام کی احتیاج!

لیکن وائے رے دیوبندی ذہن کی بوالعجبی! کہ علم و انکشاف کی جو معنوی قوت ایک ادنیٰ اُمتی کے لیے بے تکلف تسلیم کر لیتے ہیں وہی پیغمبر کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے اُنھیں خدا کے ساتھ شرک کی قباحت نظر آنے لگتی ہے۔

ان "مُوحدین" کے طلسم فریب کا مزید تماشا دیکھنا چاہتے ہوں تو ایک طرف عبداللہ خاں راجپوت کے متعلق نانوتوی صاحب کی بیان کردہ روایت پڑھیے اور دوسری طرف دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کا یہ فرمان ملاحظہ فرمایئے کہ:۔

> "اسی طرح جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے اُس کو بھی (خدا کے سوا) کوئی نہیں جان سکتا کہ ایک ہے یا دو، نر ہے یا مادہ، کامل ہے یا ناقص، خوبصورت ہے یا بدصورت (تقویۃ الایمان[۲۲])

یہ ہے عقیدہ، وہ ہے واقعہ، اور دونوں ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہیں اگر دونوں صحیح ہیں تو ماننا پڑے گا کہ عبداللہ خاں خدائی منصب پر ہیں اگر انہیں خدا فرض نہیں کرتے تو کہیے کہ واقعہ غلط ہے اور اگر واقعہ صحیح ہے تو تسلیم کیجئے کہ "تقویۃ الایمان" کا فرمان

غلط ہے۔ تاویل وجواب کا جو رُخ بھی اختیار کیجئے مذہبی دیانت کا ایک خون ضروری ہے
اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ صورتِ حال کیا اس یقین کو تقویت نہیں پہنچاتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر وشرک کی بحثیں صرف اس لیے ہیں کہ انبیاء واولیاء کی حرمتوں کو گھائل کرنے کے لیے انہیں ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ ورنہ خالص عقیدۂ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کار فرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔

غیب کا ایک عجیب مشاہدہ

ارواحِ ثلٰثہ میں لکھا ہے کہ جب مولوی قاسم صاحب نانوتوی جب حج کے لیے جانے لگے تو انہی عبداللہ خاں راجپوت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دمِ رخصت ان سے دعا کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں خان صاحب نے فرمایا :۔

" بھائی میں تمہارے لیے کیا دعا کروں میں نے تو اپنی آنکھوں سے تمہیں دوجہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری شریف پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ " (ارواحِ ثلٰثہ صـ۲۵۴)

دیوبندی جماعت کے ایک نومسلم خان کی آنکھوں کی ذرا قوتِ بینائی ملاحظہ فرمایئے کہ عالمِ غیب تک پہنچنے کے لیے اس میں درمیان کا کوئی حجاب حائل نہیں ہوا۔ لیکن رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دیوبندی حضرات کا یہ عقیدہ اب نشانِ مذہب قرار پاچکا ہے کہ معاذ اللہ " وہ پسِ دیوار بھی نہیں دیکھ سکتے۔

نانوتوی صاحب کے ایک خادم کی قوّتِ انکشاف

اب اکابر پرستی کی ایک خون آشام کہانی اور ملاحظہ فرمایئے۔

اور موازنہ کیجیے کہ علمائے دیوبند کے قلوب میں کس کے لیے کتنی گنجائش ہے؟

دیوان جی نامی ایک صاحب کے متعلق مولوی مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"مولانا محمد طیب صاحب نے یہ اطلاع دی ہے کہ لیسین نام کے دو صاحبوں کا خصوصی تعلق سیدنا الامام الکبیر (مولوی قاسم صاحب نانوتوی) سے تھا جن میں سے ایک تو یہی دیوان جی دیوبند کے رہنے والے تھے اور بقول مولانا طیّب صاحب دیوبند میں حضرتِ والا کی خانگی اور ذاتی امور کا تعلق انھیں سے تھا۔

' لکھا ہے کہ صاحبِ نسبت بزرگ تھے اپنے زنانہ مکان کے حجرے میں ذکر کرتے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے تھے۔ در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کرتے وقت باقی نہیں رہتا تھا۔"

(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۷۳)

نور السراأو الله) دیکھ رہے ہیں آپ! مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک خانگی خادم کی یہ کشفی حالت! کہ مٹی کی دیواریں شفاف آئینہ کی طرح ان پر روشن رہا کرتی تھیں ـــــ لیکن فہم و اعتقاد کی اس گمراہی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مٹی کی یہی دیواریں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پر حجاب بن کر حائل رہتی تھیں۔

جیسا کہ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر حضور کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو حضرت بلال سے (دروازہ پر کھڑی ہونیوالی عورتوں کا) نام لیکر دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی" (فیصلہ کن مناظرہ صفحہ ۱۳۶)

آپ ہی انصاف کیجیے کہ اپنے رسول کے حق میں کیا اس سے بھی زیادہ جذبۂ دل کی بیگانگی کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں الحاد و نصرانیت کا ایک مکاشفہ

لگے ہاتھوں انہی دیوان جی کا ایک کشف در مدخنہ فرمایئے۔ مولوی مناظر احسن گیلانی اپنے اسی حاشیہ میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان ہی دیوان جی کے مکاشفہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے

بھی نقل کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مثالی عالم میں ان پر منکشف ہوا کہ
دارالعلوم کے چاروں طرف ایک سُرخ ڈورا تنا ہوا ہے۔
اپنے اس کشفی مشاہدہ کی تعبیر خود یہ کیا کرتے تھے کہ نصرانیت اور
تجدد و آزادی کے آثار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں نمایاں ہونگے

(ج ۲ صہ ۷۳)

مجھے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو لوگ اپنا عیب چھپانے کے لیے دوسروں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور سازباز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریبان میں مُنہ ڈال کر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب کے مصنفین کو اس کشف پر اگر اعتماد نہ ہوتا تو ہرگز اسے شائع نہ کرتے۔

اور بات کشف ہی تک نہیں ہے تاریخی دستاویزات بھی اس امر واقعہ کی نا بُد میں ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ نیازمندانہ تعلقات اور رازدارانہ سازباز دارالعلوم دیوبند اور منتظمین و عمائدین کا ایسا نمایاں کارنامہ ہے جسے اُنھوں نے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور یہ بات بھی از راہِ الزام نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیوبندی لٹریچر سے جو تاریخی ...بہا دیں مجھے موصول ہوئی ہیں ان کی روشنی میں اس کے سوا اور کچھ کہا ہی نہیں جا سکتا ...ونے کے طور پر چند تاریخی حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:۔

انگریزوں کے خلاف افسانۂ جہاد کی حقیقت

ایک دیوبندی فاضل نے "مولانا محمد احسن نانوتوی" کے نام سے ...وصوف کی سوانح حیات لکھی ہے جسے مکتبۂ عثمانیہ کراچی پاکستان نے شائع کیا ہے

اپنی کتاب میں مصنف نے اخبار "انجمن" پنجاب لاہور مجریہ ۱۹ر فروری ۱۸۷۵ء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمیٰ پامر نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا۔ معائنہ کی جو عبارت موصوف نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اس کی یہ چند سطریں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں :۔

> "جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لیکر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے"
>
> (مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۷)

ع : مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود انگریز کی یہ شہادت ہے کہ "یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے۔"

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس بیان کے سامنے اب اُس افسانے کی کیا حقیقت ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ مدرسۂ دیوبند انگریزی سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈہ تھا۔

مدرسۂ دیوبند کے قدیم کارکنوں کا انگریزوں کے ساتھ کس درجہ خیر خواہانہ اور نیاز مندانہ تعلق تھا۔ اس کا اندازہ لگانے کے لیے خود قاری طیب صاحب مہتمم

دارالعلوم دیوبند کا یہ تہلکہ خیز بیان پڑھیئے۔ فرماتے ہیں:۔

"مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنرز تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔"

(حاشیہ سوانح قاسمی ص۲۴۷، ج۲)

آگے چل کر انھیں "بزرگوں" کے متعلق لکھا ہے کہ مدرسۂ دیوبند میں ایک موقعہ پر گورنمنٹ کی جب انکوائری آئی تو۔۔۔

"اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔"

(حاشیہ سوانح قاسمی)

گھر کا رازدار ہونے کی حیثیت سے قاری طیب صاحب کا بیان جتنا باوزن ہو سکتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کے وفا پیشہ نمک خوار ہوں کسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

اب انگریزوں کے خلاف دیوبندی اکابر کے افسانۂ جہاد و بغاوت کی پوری

باطل اُلٹ دینے والی ایک سنسنی خیز کہانی اور سُنیئے۔

سوانح قاسمی میں مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک حاضر باش مولوی مولوی منصور علیخاں کی زبانی یہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن مولانا نانوتوی کے ہمراہ میں نانوتہ جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں مولانا کا حجّام افتاں و خیزاں آتا ہوا ملا۔ اور اس نے خبر دی کہ نانوتہ کے تھانیدار نے ایک عورت کے بھگانے کے الزام میں میرا چالان کر دیا ہے۔ خدارا مجھے بچایئے۔

مولوی منصور علی خاں کا بیان ہے کہ نانوتہ پہنچتے ہی مولانا نے اپنے مخصوص کارندہ منشی محمد سلیمان کو طلب کیا اور پُر جلال آواز میں فرمایا:۔

" اس غریب کو تھانیدار نے بے قصور پکڑا ہے۔ تم اس سے کہدو کہ یہ (حجام) ہمارا آدمی ہے اس کو چھوڑ دو، ورنہ تم کبھی نہ بچو گے اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی۔" (سوانح قاسمی ج ا صلا۳۲ و صلا۳۲)

لکھا ہے کہ منشی محمد سلیمان نے مولانا نانوتوی کا حکم ہُو بہو تھانیدار تک پہنچا دیا۔ تھانیدار نے جواب دیا کہ اب کیا ہو سکتا ہے۔ روزنامچہ میں اس کا نام لکھ دیا گیا ہے۔

مولانا نانوتوی نے اس جواب پر حکم دیا کہ تھانیدار سے جا کر کہہ دو کہ اس کا نام روزنامچہ سے کاٹ دو۔ منصور علی خاں کا بیان ہے کہ مولانا کا یہ حکم پا کر سراسیمگی کی حالت میں تھانیدار خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔

"حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے۔ اگر نام اس کا نکالا تو میری نوکری
جاتی رہے گی۔ فرمایا اس کا نام (روزنامچہ سے) کاٹ دو، تمہاری نوکری
نہیں جائے گی۔" (سوانح قاسمی ج ا صہ ۳۲۳)

واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ "مولانا کے حکم کے مطابق تھانیدار نے حجام کو چھوڑ دیا، اور
تھانیدار، تھانیدار ہی رہا۔"

مجھے اس واقعہ پر بجز اس کے اور کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے کہ مولوی قاسم صاحب
نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع
فرمان کیوں تھا؟ اور تھانیدار کو یہ دھمکی کہ "اسے چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے۔" وہی
دے سکتا ہے جس کا ساز باز اوپر کے مرکزی حکام سے ہو۔

انگریزی قوم کی بارگاہ میں نیاز مندانہ ذہن کا ایک رُخ اور ملاحظہ فرمایئے:
اس سلسلے میں سوانح قاسمی کے مصنف کی ایک عجیب و غریب روایت سُنیئے۔ فرماتے
ہیں کہ:۔

"انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے۔ ان میں
حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے
اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور
کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے
کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی

صف میں پارہا ہوں ۔" (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳)

انگریزوں کی صف میں حضرت خضر کی موجودگی اتفاقاً نہیں پیش آگئی تھی بلکہ وہ "نصرتِ حق" کی علامت بن کر انگریزی فوج کے ساتھ ایک بار اور دیکھے گئے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں :۔

" غدر کے بعد جب گنج مراد آباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا (شاہ فضل الرحمٰن صاحب) جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے کسی وجہ سے انگریزی فوج گزر رہی تھی، مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے ۔ اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈور، کھونٹے وغیرہ گھوڑے کا لیے ہوئے تھا ۔ اس سے باتیں کر کے پھر مسجد میں آگئے ۔

اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں نے گفتگو کی یہی خضر تھے ۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے تو جواب ملا کہ حکم یہی ہوا ہے ۔" (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳)

یہاں تک تو روایت تھی اب اس روایت کی توثیق و تشریح ملاحظہ فرمائیے ۔ لکھتے ہیں :۔

"باقی خود خضر کا مطلب کیا ہے؟ نصرتِ حق کی مثالی شکل تھی جو اس
نام سے ظاہر ہوئی۔ تفصیل کے لیے شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیے
گویا جو کچھ دیکھا جا رہا تھا۔ اسی کے باطنی پہلو کا یہ مکاشفہ تھا۔
(حاشیہ سوانح قاسمی)

بات ختم ہوگئی لیکن یہ سوال سر پر چڑھ کے آواز دے رہا ہے کہ جب حضرت خضر کی صورت میں نصرتِ حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی تو ان باغیوں کے لیے کیا حکم ہے جو حضرت خضر کے مقابلے میں لڑنے آئے تھے؟ کیا اب بھی انھیں غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟

اپنے موضوع سے ہٹ کر ہم بہت دور نکل آئے لیکن آپ کی نگاہ پر بار نہ ہو تو اس بحث کے خاتمے پر اکابر دیوبند کی ایک دلچسپ دستاویز اور ملاحظہ فرمایئے۔

دیوبندی حلقے کے ممتاز مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی کتاب "تذکرۃ الرشید" میں انگریزی حکومت کے ساتھ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے نیازمندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"(آپ) سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔"
(تذکرۃ الرشید، ج ۱ صفحہ ۸۰)

کچھ سمجھا آپ نے ؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں ؟ یہی کہ انگریزوں کے خلاف انھوں نے علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ گنگوہی صاحب کی یہ پُرخلوص صفائی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہیے۔ لیکن غضب خدا کا اتنی شدّ و مد کے ساتھ صفائی کے باوجود بھی ان کے ماننے والے یہ الزام اُن پر آج تک دُہرا رہے ہیں کہ اُنھوں نے انگریزوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی اس طرح تکذیب کی ہو۔

اور " سرکار مالک ہے سرکار کو اختیار ہے " یہ جملے اسی کی زبان سے نکل سکتے ہیں جو " ن " سے لے کر " من " تک پوری طرح کسی کے جذبۂ غلامی میں بھیگ چکا ہو

آہ ! دلوں کی بدبختی اور روحوں کی شقاوت کا حال بھی کتنا عبرت انگیز ہوتا ہے سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ خدا کے باغیوں کے لیے تو جذبۂ عقیدت کا اعتراف ہے کہ وہ مالک بھی ہیں اور مختار بھی! لیکن احمدِ مجتبیٰ اور محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے :-

> " جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار (مالک) نہیں "
>
> (تقویۃ الایمان)

بیشک یہ بتانے کا حق ملوک ہی کو ہے کہ اس کا مالک کون ہے کون نہیں ہے ؟ جو مالک تھا اس کے لیے اعتراف کی زبان کھلنی تھی کھل گئی۔ اور جو مالک نہیں تھا اُس کا انکار ضروری تھا ہو گیا۔ اب یہ بحث بالکل بحث ہے کہ کس کا مقدر کس مالک کے ساتھ وابستہ ہوا۔

یہاں پہنچ کر میں کچھ نہیں کہنا ہے۔ تصویر کے دونوں رُخ آپ کے سامنے

ہیں۔ مادّی منفعت کی کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ دلوں کی اقلیم پر کس کی بادشاہت کا جھنڈا اگڑا ہوا ہے۔ سلطان الانبیاء کا یا تاج برطانیہ کا؟

بات چلی تھی گھر کے مکاشفہ کی اور گھر ہی کی دستاویز پر ختم ہو گئی اب پھر کتاب کے اصل موضوع کی طرف پلٹتا ہوں۔ آپ بھی اپنے ذہن کا رشتہ واقعات کے سلسلے سے منسلک کر لیجئے۔

---

(۵)

غیبی ادراک کے سمندر میں تلاطم

مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں ارواح ثلٰثہ کے حوالہ سے ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ چھتہ کی مسجد واقع دیوبند میں کچھ لوگ جمع تھے۔ اس مجمع میں ایک دن مولوی یعقوب صاحب نانوتوی مہتمم مدرسہ دیوبند فرمانے لگے۔

> "بھائی آج صبح کی نماز میں ہم مرجاتے بس کچھ ہی کسر رہ گئی۔ لوگ حیرت سے پوچھنے لگے آخر کیا حادثہ پیش آیا۔ سُننے کی بات یہی ہے۔ جواب میں فرما رہے تھے کہ آج صبح میں سورۂ مزمّل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گذرا کہ میں تحمّل نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے۔ کہتے تھے کہ وہ تو خیر گذری کہ وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا تھا ویسا ہی نکلا چلا گیا۔ اس لیے میں بچ گیا۔ کہتے تھے کہ علوم کا یہ دریا جو اچانک